ماہنامہ

آئینہ انجمن

شوال المکرم 1447ھ / اپریل 2026ء

شمارہ نمبر: 85

021-34993436-7

www.QuranAcademy.edu.pk

مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن B-375 علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6 گلشن اقبال، کراچی۔

آئینہ انجمن

فہرست مضامین

01 فرمان باری تعالیٰ و فرمان نبوی ﷺ

02

02 ایمان کی حفاظت۔۔۔ آخرت کا یقین
ڈاکٹر انوار علی ابرار
03

03 حمد باری تعالیٰ و نعت رسول پاک ﷺ
جاوید علیم 'ر'/قمر الدین انصاری راز
04

04 ملفوظات صدر مؤسس انجمن خدّام القرآن
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
05

05 اقتباس نگران انجمن خدّام القرآن
شجاع الدین شیخ
06

06 پیغام قرآن (تیسری قسط)
حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ
07

07 مال کے متعلق حقیقی رویہ
فاروق احمد
11

08 بدلتے عالمی تناظر اور نیو ورلڈ آرڈر
مفتی امان اللہ قائم خانی
15

09 رمضان کے بعد کا محاسبہ
امین اللہ معاویہ
18

10 ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت اور اصل کرنے کا کام
عمر فاروق شیخ
21

11 احیائے دین کا معمار۔۔۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
مولانا محمد معاویہ
22

12 بالغوں کا فقدان اور نوعمری کی طوالت
احمد حمدی
29

13 انجمن خدّام القرآن کے تحت جاری سرگرمیاں
ماہانہ رپورٹ
34

14 شعبہ ملٹی میڈیا
ماہانہ رپورٹ
37

فرمان الٰہی جل جلالہٗ

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ [یونس: 58]

ترجمہ : کہہ دیجیے یہ کتاب نازل ہوئی ہے محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے، پس چاہیے کہ اس پر خوشی منائیں، یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

تشریح : پیش نظر آیت کریمہ میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ صرف ایمان لانے والوں کو نہیں سب جن و انس کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم وہ عظیم نعمت ہے جو اپنے جلو میں اللہ کے فضل اور رحمت کو لے کر اتری ہے۔ اور مزید یہ بات کہ اس کا اترنا بجائے خود اللہ کے فضل اور رحمت کا نتیجہ ہے وہ چونکہ اپنے بندوں پر رحیم و کریم ہے اس نے جب انسانی کشتی کو ڈوبنے کے قریب دیکھا اور انسانی زندگی کو تباہی کے کنارے محسوس کیا تو اس کا فضل اور رحمت جوش میں آئے۔ تو جس طرح اس کی رحمت کا ظہور اللہ کے رسول کی صورت میں ہوا اسی طرح قرآن کی صورت میں بھی ہوا۔ انسان کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا اور اموالِ دنیا کو اپنا مقصد بناتا ہے، اسی کے لیے محنت کرتا ہے، اسی کے حصول پر فخر کرتا ہے، اسی کی کثرت پر خوشیاں مناتا ہے۔ لیکن حقیقت سے بے خبر انسان کو یہ معلوم نہیں کہ دولت اللہ کی طرف سے آزمائش ہے، اور اس آزمائش پر پورا اترنے اور اس نعمت کو اپنے اور خلق خدا کے لیے اللہ کا فضل بنانے کے لیے جس رہنمائی کی ضرورت ہے وہ قرآن کریم میں ہے۔ اس لیے انسانوں کو چاہیے کہ بجائے ان خزف ریزوں پر جان دینے کے قرآن کریم اور اس کی تعلیمات کو سینے سے لگائیں۔ اپنی زندگی کو اس کی رہنمائی میں دے دیں اور پھر اللہ کی اس نعمت پر جس قدر بھی خوشیاں منائیں، کم ہیں۔ کیوں کہ حقیقت میں یہی وہ نعمت ہے جس کے واسطے سے انسان اللہ سے اپنا رشتہ جوڑ سکتا ہے۔ (روح القرآن۔ ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی صاحب)

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ» (رواه الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے فساد و بگاڑ کے وقت میری سنت اور میرے طریقہ سے وابستہ اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے اس کے لیے شہید کا اجر و ثواب ہے۔

تشریح : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے بھی معلوم ہوا اور اس کے علاوہ دوسری متعدد حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں کی طرح آپ کی امت میں بھی فساد بگاڑ آئے گا اور ایسے دور بھی آئیں گے جب امت میں بے راہ روی اور نفس و شیطان کی پیروی بہت عام ہو جائے گی اور اس کی غالب اکثریت آپ کی ہدایت و تعلیم اور آپ کے طریقہ کی پابند نہیں رہے گی۔ ظاہر ہے کہ ایسے فاسد ماحول اور ایسی ناموافق فضا میں آپ کی ہدایت اور سنت و شریعت پر قائم رہ کر زندگی گزارنا بڑی عزیمت کا کام ہے اور ایسے بندوں کو بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی قربانیاں دینی ہوں گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان اصحاب عزیمت کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کا درجہ اور اجر و ثواب عطا ہوگا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ہماری زبان میں سنت کا لفظ ایک مخصوص اور محدود معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے مگر حدیث میں سنت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ اور آپ کی ہدایت ہے جس میں عقائد اور فرائض و واجبات بھی شامل ہیں۔ (معارف الحدیث)

ایمان کی حفاظت : آخرت کا یقین

ڈاکٹر انوار علی ابرار

انسان کی زندگی ایک مستقل آزمائش ہے، اور ایک سچے مومن کا ایمان ہمیشہ اللہ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کے خوف کے درمیان رہتا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول اس کیفیت کی بہترین عکاسی کرتا ہے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ سوائے ایک شخص کے سب جنت میں جائیں گے، تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں، اور اگر یہ اعلان ہو کہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے، تو مجھے اپنے رب کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا۔ آج کے اس پرفتن دور میں، جہاں مادیت پرستی اور الحاد تیزی سے پھیل رہا ہے، ہمارے لیے اپنے اعمال اور ایمان کا جائزہ لینا انتہائی ضروری ہوگیا ہے۔ آج دنیا بہت تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے، ایک طرف ایسے لوگ ہیں جو خاندانی اور پیدائشی مسلمان ہونے کے باوجود اسلام سے دور ہو کر الحاد (خدا بے زاری) کا شکار ہو رہے ہیں، جس کی اصل وجہ پابندیوں سے فرار اور مادر پدر آزادی کی خواہش ہے۔ دوسری طرف ایک بڑی تعداد، خاص طور پر نوجوانوں اور خواتین کی ہے، جو اسلام کی حقانیت کو پہچان کر تیزی سے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ آج کا نظام مکمل طور پر دجالی خدوخال اختیار کر چکا ہے۔ دجالیت کا سب سے بڑا دھوکہ یہ ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے میں پانی ہے۔ جو چیز بظاہر راحت، مزے اور آزادی (یعنی پانی) نظر آتی ہے، وہ درحقیقت جہنم کی آگ ہے، اور جو چیز بظاہر مشقت، پابندی اور دین پر چلنے کی مشکل (یعنی آگ) نظر آتی ہے، وہ دراصل اللہ کی رحمت اور جنت کا راستہ ہے۔ اسلامی تعلیمات میں حلال و حرام، پردے اور دیگر احکامات کی پابندی بظاہر نفس پر گراں گزرتی ہے، لیکن حقیقتاً یہ پابندیاں ہی انسان کو جانوروں کے درجے سے اٹھا کر باشعور انسان بناتی ہیں۔ جس طرح ہم اپنے بچوں کو آگ اور خطرناک سانپ سے کھیلنے کی اجازت نہیں دیتے کیوں کہ ہم ان کے انجام سے واقف ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں ہمارے دنیاوی اور اخروی فائدے کے لیے ہیں۔ نومسلم افراد ان پابندیوں کو رحمت سمجھتے ہیں کیوں کہ انہوں نے اس کھوکھلی آزادی کے نقصانات کا خود تجربہ کیا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کے اس جاہل معاشرے میں دعوت کا آغاز کیا، تو قرآن مجید کے ابتدائی حصے (خاص طور پر مکی سورتوں) میں قانونی احکامات سے زیادہ آخرت کے تصور پر زور دیا گیا۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، اعمال کا حساب کتاب، جنت اور دوزخ کا تذکرہ اس قدر تواتر سے کیا گیا کہ صحابہ کرام کے دلوں میں آخرت کا یقین راسخ ہوگیا۔ یہی ''ایمان بالآخرہ'' وہ عملی قوت تھی جس نے ان کے کردار کو اس طرح بدلا کہ وہ اللہ کی راہ میں ہر قسم کا ظلم اور تشدد مسکرا کر برداشت کرتے تھے۔ جب تک آخرت کا یقین دل میں نہ اترے، انسان دنیا کی معمولی باتوں میں الجھا رہتا ہے۔ صحابہ کرام کا عملی ایمان اس قدر مضبوط تھا کہ انہیں آخرت کے علاوہ اور کسی شے کی پروا نہ رہی۔ آج ہماری سب سے بڑی اور اولین ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے اندر آخرت کی فکر بیدار کریں۔ موت اور اس کے بعد کی زندگی کا تصور محض ایک رسمی عقیدہ نہیں، بلکہ ایک عملی طاقت ہے جو انسان کو گناہوں سے روکتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے گھروں میں بکثرت جنت اور دوزخ کے مناظر کا تذکرہ کریں، اپنے اخلاق اور معاملات کو درست کریں اور اس دجالی فتنے کے دور میں اسلامی تعلیمات پر سختی سے کاربند رہیں۔ بالآخر ہمیں اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر اپنے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب دینا ہے، لہٰذا ہمیں غفلت کی زندگی چھوڑ کر شعور اور بیداری کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

حمدِ باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ

تو ہی اولین تو ہی آخرین — اے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ! اے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

جہاں دیدہ ہے معجزات کی دنیا — چار سو تیری آیات، عین الیقین

حلیم ہے، رحیم ہے، کریم ہے — عطا کیا تو نے رسول بھی رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

ستار العیوب ہے، عاجزی تجھے محبوب ہے — پھر کیوں نہ کروں سر بسجدہ جبین

غضب تیرا عذاب تو شَدِیْدِ الْعِقَابِ — تیری پکڑ آہنی اے اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ!

تو بے عیب ہے، علام الغیب ہے — چالِ مقابل شکستہ، اے خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ!

تیرا دیں مغلوب ہے تجھے شان مطلوب ہے — بھیج پھر کوئی صلاح الدین، اے خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ!

بندہ خطا کار ہوں، شرمسار ہوں — میرا بھرم رکھنا اے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ!

(کرنل جاوید علیم 'ر')

نعتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

منظر ہے حسیں دیکھیے دربار مدینہ — جنت سے بھی بڑھ کے ہے گلزار مدینہ

اللہ رے کیا نور برستا ہے ہر اک سمت — خوشبو سے معطر ہیں یہ بازار مدینہ

میری یہ تمنا ہے کہ آنکھوں سے لگا لوں — دلکش ہے، دل آویز ہے ہر خار مدینہ

پرکیف حسیں روضہ ہے سرکار کا بے شک — ہے عرش کو چھوتا ہوا مینار مدینہ

پاکیزہ زمیں میں یہ ابلتے ہوئے چشمے — صحرا ہے کہیں پر، کہیں کہسار مدینہ

پڑھتے ہیں عنادل بھی درودوں پہ درودیں — اذکار میں مصروف ہیں اشجار مدینہ

یہ دل کی تمنا ہے میری اے شہ بطحا! — بلوائیے اس رازؔ کو ہر بار مدینہ

(قمر الدین انصاری راز)

ملفوظاتِ صدرِ مؤسّسِ انجمن خُدّامُ القرآن، کراچی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

فساد سے جہاد کی طرف واپسی

آج جب کہ مسلمانوں کا تفرق انتہا کو پہنچا ہوا ہے، اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے، بلکہ سننے کے لیے بھی تیار نہیں اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کر سکے، تو اس باہمی جنگ وجدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمہ دار ذرا اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں، کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جن کے لیے قرآن نازل ہوا، رسول کریم ﷺ مبعوث ہوئے، آپ ﷺ نے اپنی زندگی اُن کے لیے وقف کر دی اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں یا بنیادی مسائل اور قرآن و اسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے؟

جس ملک میں ایک طرف عیسائی مشنریاں پوری قوت اور چمک دمک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں، ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول ﷺ اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جس کو دنیا سے مٹانے ہی کے لیے قرآن اور اسلام آئے تھے، اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق و تنقید و ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہات سے غفلت برتنے والوں سے اگر اللہ تعالیٰ و رسول کریم ﷺ کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑ رہی تھیں، تم نے اس کے لیے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہو گا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ اور کوئی جماعت جب ذرا اپنے جھگڑوں سے بلند ہو کر سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہو گی، اور اس کی کوشش کا رُخ بدلے گا۔ اس کے نتیجے میں باہمی آویزش یقیناً کم ہو گی۔

گزارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائی صرف کرنے کا محل تلاش کر کے اس پر لگا دیں اور باہمی اختلافات کو صرف حلقۂ درس یا فتویٰ یا تحقیقی رسائل تک محدود کر دیں، اور ان میں بھی لب و لہجہ قرآنی اصولِ دعوت کے مطابق نرم رکھیں۔ فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں۔ ہمارے پبلک جلسے، اخبار اور اشتہار بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں تو پھر ہماری جنگ، جو فساد کی صورت اختیار کر چکی ہے، وہ دوبارہ جہاد میں تبدیل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں عوام کا رُخ بھی باہمی جنگ و جدل سے پھر کر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہو جائے گا۔ (وحدت امت)

اقتباس نگرانِ انجمن خدام القرآن، کراچی

شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

دنیاوی اعزازات بمقابلہ اخروی کامیابی

آج ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ فلاں کو آسکر ایوارڈ مل گیا، فلاں کو نوبیل انعام مل گیا، فلاں کو فلاں پرائز مل گیا۔ مگر دنیا کا بڑے سے بڑا اعزاز بھی صرف چند روزہ دنیا تک محدود ہے۔ انسان کے لیے سب سے بڑی کامیابی اور سب سے بڑا ایوارڈ یہ ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی میں اُسے کوئی کامیابی مل جائے اور ان سے بڑھ کر خوش قسمت لوگ کون ہوں گے یا اس سے بڑا ایوارڈ کیا ہوگا کہ اللہ کے عرش کو تھامنے والے انتہائی معزز فرشتے اُن کے لیے بخشش کی دعا مانگ رہے ہوں۔ لیکن آج مادہ پرستی کے دور میں انسان اس حقیقت کو بھول رہا ہے اور عارضی فائدے کو ہی اصل کامیابی سمجھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ظاہر کے اِن پردوں کو چاک کرکے آخرت کو ہمارے سامنے رکھتا ہے۔ اس آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کتنی بڑی دولت ہے۔ آج ماں کی گود میں کلمہ مفت میں مل گیا، مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوگئے، مسلمانوں جیسا نام رکھ لیا، اس لیے ہمیں قدر نہیں ہے۔ اسکول میں بچے کے نمبر کم آجائیں تو پریشانی ہوتی ہے لیکن ایمان چلا جائے تو کوئی فکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان عطا فرمائے۔ آمین!

اہلِ ایمان کے لیے اللہ کے عرش کو تھامنے والے فرشتے بھی استغفار کرتے ہیں تو ہمیں خود استغفار کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیے؟ یہ تصور غلط ہے کہ استغفار صرف گناہوں پر کرنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے بڑھ کر کون متقی ہوگا اور پھر آپ ﷺ معصوم عن الخطا بھی تھے، مگر آپ ﷺ ہر نماز کے بعد استغفار کا ورد کیا کرتے تھے۔ اسی طرح سنتِ رسول ﷺ سے صبح شام کے اذکار میں 100 مرتبہ استغفار ثابت ہے، کیا آج ہم بھی استغفار کا اہتمام کرتے ہیں؟ تنہائی میں بیٹھ کر سوچنا چاہیے۔

فرشتے اہل ایمان کی بخشش کے لیے دعائیں تو مانگ رہے ہیں مگر کون اس رحمت کا مستحق ہے، کون سچا پکا ایمان والا ہے اور کون جھوٹا دعوی دار ہے، یہ بات صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچے ایمان کا طالب بنائے۔

(ندائے خلافت، شمارہ نمبر 50، خطاب جمعہ امیر محترم شجاع الدین شیخ صاحب، قرآن اکیڈمی لاہور، 19 دسمبر 2025ء)

پیغام قرآن (تیسری قسط)

حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ

حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک 1432ھ (مطابق 2011ء) میں قرآن اکیڈمی، ڈیفنس میں نمازِ تراویح کے دوران دورۂ ترجمہ قرآن کا شرف حاصل کیا۔ یہ مبارک سلسلہ نہ صرف سامعین کے قلوب کو منور کر گیا، بلکہ اس کی مکمل ویڈیو ریکارڈنگ بھی کی گئی، جو اب ''پیغامِ قرآن'' کے عنوان سے محفوظ اور دستیاب ہے۔

سورۃ البقرہ :

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب سورۃ البقرہ کے فہم کا آغاز کیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْاٰنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ. (سنن ترمذی)

''بے شک ہر چیز کے لیے کوئی چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرہ ہے۔''

پس منظر کے طور پر یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ سورۃ البقرہ ایک مدنی سورت ہے، اور اس کے نزول کے وقت تک اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ نازل فرما چکا تھا۔ مزید برآں، یہ قرآن مجید کی طویل ترین سورت ہے، اس میں 286 آیات ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے مختلف پہلو نہایت جامع انداز میں بیان فرمائے ہیں۔

یہ سورۂ مبارکہ سورۃ آلِ عمران کا جوڑا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ

''دو سورتیں تابناک ہیں، جنہیں حدیث میں ''الزہراوین'' کہا گیا ہے، ایک سورۃ البقرہ اور دوسری سورۃ آلِ عمران۔''

دونوں سورتوں میں مضامین کا کافی اشتراک ہے :

دونوں سورتوں کا آغاز حروف مقطعات الف لام میم (الف لام میم) سے ہے۔

دونوں سورتوں کے آخر میں بڑی ایمان افروز دعائیں ہیں۔

اور دونوں سورتوں کے ایک حصے میں اہل کتاب کا ذکر دوسرے میں امت محمد ﷺ کا ذکر ہے۔

سورۃ البقرہ میں یہود کا ذکر اور سورۃ آل عمران میں عیسائیوں کا ذکر ہے۔

سورۃ الفاتحہ کا سورۃ البقرہ سے یہ تعلق ہے کہ سورۃ الفاتحہ میں ہم نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا مانگی :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ-

''اے اللہ تو ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما''۔

سورۃ البقرہ کے شروع میں ہی اللہ نے فرمادیا :

الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢

''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔''

تم نے اللہ سے ہدایت کی دعا مانگی تھی، اور اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں فرما رہے ہیں کہ یہ قرآن ہی ہدایت ہے۔ یوں سورۃ الفاتحہ دعا ہے اور گویا

پورا قرآنِ مجید اس دعا کا جواب ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے شریعت کے احکامات عطا فرمائے، اور یہ احکامات رفتہ رفتہ اپنی تکمیلی شان کو پہنچتے ہیں اور جا کر سورۃ المائدہ میں مکمل ہوتے ہیں۔

سورۃ البقرہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں 18 رکوع ہیں، اور ان میں خطاب کا غالب رخ سابقہ امتِ مسلمہ، یعنی بنی اسرائیل کی طرف ہے، اور ان میں بھی خاص طور پر یہودیوں کی طرف ہے۔

دوسرے حصے میں 22 رکوع ہیں، اور ان میں خطاب کا رخ موجودہ امتِ مسلمہ، یعنی مسلمانوں کی طرف ہے۔

اب یہ جو پہلا حصہ ہے، جس میں 18 رکوع ہیں، اس میں بھی ایک تقسیم اس طرح سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے چار رکوعوں میں کچھ تمہیدی مضامین بیان فرمائے ہیں، جو مکی قرآن میں بیان ہونے والی باتوں کا خلاصہ ہیں۔

اس کے بعد دس رکوعوں میں براہِ راست خطاب سابقہ امتِ مسلمہ بنی اسرائیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے احسانات گنوائے ہیں، اور یہ بتایا ہے کہ انہوں نے کس کس طرح اللہ کے احسانات کی ناشکری، ناقدری کی، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکامات سے پہلوتہی کی، یوں ان پر ایک مکمل فردِ جرم عائد کی گئی ہے۔

پھر اس کے بعد جو آخری چار رکوع ہیں، پہلے حصے کے، ان میں تحویلی نوعیت کا مضمون ہے۔

اللہ تعالیٰ سابقہ امتِ مسلمہ کو دنیا کی امامت کے منصب سے معزول کرنے کا اعلان فرما رہے ہیں، اور ان کی جگہ موجودہ امتِ مسلمہ، یعنی امتِ محمد ﷺ کو دنیا کی امامت کے منصب پر فائز کرنے، یعنی اس امت کی تاج پوشی کا فیصلہ فرما رہے ہیں۔

اب آئیے، ہم آغاز کرتے ہیں سورۃ البقرہ کے پہلے دو رکوع کے مطالعے کا۔

ان دو رکوعوں میں تین گروہوں کا ذکر ہے، جو دراصل مکی قرآن کا حاصل ہیں۔

مکی قرآن کے نتیجے میں یہ تین گروہ وجود میں آئے اور نوٹ کیجیے کہ یہ گروہ ہمیشہ وجود میں آتے ہیں، جب بھی کوئی انقلابی تحریک زور پکڑتی ہے۔

ایک گروہ وہ ہوتا ہے جو دل و جان، تن من دھن سے اس انقلابی تحریک کا ساتھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی میں شامل فرمائے۔ پہلی پانچ آیات میں اس گروہ کا ذکر ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جو اس تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی انقلاب آئے۔ وہ چاہتے ہیں کہ سسٹم برقرار رہے، کیوں کہ اس نظام سے ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ نظام کے تحفظ کے لیے میدان میں آ کر قربانیاں دیتے ہیں۔ یہ تحریک کے بڑے پکے دشمن ہوتے ہیں، اور اسلامی تحریک کے حوالے سے پکے کافر ہوتے ہیں۔ ان کا ذکر دو آیات میں ہے۔

پھر تیسرا گروہ وہ ہوتا ہے جس کی اصل دلچسپی اپنے مال اور جان کی حفاظت ہوتی ہے۔ نہ وہ پہلے گروہ کے ساتھ شامل ہوتے ہیں، کیوں کہ شامل ہونے کی صورت میں انہیں مال و جان کی قربانی دینی پڑے گی، اور نہ وہ تحریک کے دشمنوں کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں، کیوں کہ وہاں بھی تحریک کا راستہ روکنے کے لیے قربانی دینی پڑے گی۔ بس وہ دونوں طرف اپنے تعلقات برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ہیں منافقین، اور دوسرے رکوع کی آٹھ آیات میں ان کا تذکرہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾

''الف لام میم حروفِ مقطعات ہیں، ان کا اصل مطلب اللہ تبارک و تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں''۔

ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۛۚ فِیۡہِ ۛۚ

''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں''۔

وہ کتاب کہ جس کا وعدہ اس سے پہلے رسول کرتے چلے آئے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تدبرِ قرآن میں تورات کے یہ

الفاظ نقل کیے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اے موسیٰ! میں تیری مانند تیرے بھائیوں میں ایک رسول اٹھاؤں گا، اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا، اور وہ میرے نام کے ساتھ لوگوں کو میرے رستے کی طرف بلائے گا۔'' تو گویا یہ اشارہ نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے۔ وہ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت نبی پاک ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ قرآنِ مجید میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہیں، گویا اللہ کے نام کے ساتھ لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف بلاتے ہیں۔ تو الف لام میم — یہ ہے وہ کتاب، وہ کتابِ موعود جس کا وعدہ کیا گیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں۔

اور لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کتاب کے مضامین میں کوئی شک نہیں، اس کتاب کی ہر بات سچی ہے، ہر بات برحق ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

''اور یہ کتاب متقیوں کے لیے ہدایت ہے''۔

اب یہ متقی کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو دین کے غلبے کی تحریک میں تن، من، دھن کے ساتھ سرگرم عمل ہو گئے، جنھوں نے ڈٹ کر حق کا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انھی کے کردار کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ان کے پانچ اوصاف بیان ہو رہے ہیں۔ پہلا وصف ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

''یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں''۔

یعنی بے دیکھی چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اپنی عقل کو معیار نہیں بناتے کہ جو بات عقل میں آئے گی اسی کو مانیں گے، بلکہ یہ ہے کہ جو اللہ نے فرما دیا، چاہے ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے، جو اللہ کے رسول ﷺ نے بتا دیا، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

تو یہ عقل کے پیروکار نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ بات اللہ کے رسول ﷺ نے بتائی ہے یہ Blind Faith والے ہوتے ہیں۔ یہ پہلی صفت ہے، اور قرآنِ مجید سے ہدایت کے حصول کی شرطِ اول ہے کہ ہمیں اللہ کی کتاب کی تعلیمات پر ایک اندھا یقین اور اعتماد ہے اور جو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا وہی برحق ہے ہماری عقلیں ناقص ہیں، ان میں ہر بات ہماری عقل میں نہیں آ سکتی۔

دوسرا وصف ہے:

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

''وہ نماز قائم کرتے ہیں''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے لو لگاتے ہیں، اور اللہ سے ہدایت مانگتے رہتے ہیں۔

تیسرا وصف ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

''اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں''۔

مال اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کی اصل محبت اللہ سے ہے، دنیا سے نہیں۔

چوتھا وصف ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

''وہ اس کلام پر بھی ایمان لاتے ہیں جو اے نبی ﷺ! آپ کی طرف نازل کیا گیا، اور اس کلام پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا''۔

یعنی ان میں تعصب نہیں ہوتا، جہاں بھی حق ہوگا وہ اسے قبول کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ صفت عطا فرمائے۔

اور پانچویں، آخری اور اہم ترین صفت فرمایا:

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

''اور آخرت پر تو وہ یقین رکھتے ہیں''۔

یہاں لفظ ایمان نہیں آیا، بلکہ یقین آیا ہے، جو ایمان سے بھی اگلا درجہ ہے۔

انہیں یقین ہے کہ مرنا ہے، مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہونی ہے ایک ایک عمل کی جواب دہی کرنی ہے۔ یہ ہیں صفاتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جو مکی قرآن کے نتیجے میں ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئے، اور انہوں نے ان صفات کا عملی مظاہرہ کیا۔ اور یہی صفات ہر دور میں ان لوگوں کی ہوں گی جو قرآنِ مجید سے ہدایت حاصل کریں گے۔ قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے یہ Pre-requisites ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ صفات عطا فرمائے۔

خوشخبری دی گئی:

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

''یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں''۔

پانچ آیات میں اللہ کے محبوب بندوں کے ذکر کے بعد اب دو آیات میں دینِ حق کی تحریک کے بدترین دشمنوں اور مخالفین کا ذکر ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ابوجہل اور اس کی قبیل جیسے تھے۔

فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ان کے حق میں برابر ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ انہیں خبردار کریں یا خبردار نہ کریں، وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ

''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے''۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے زبردستی انہیں ہدایت سے محروم کر دیا۔ سورۃ الصف (آیت 5) میں آتا ہے:

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ

''جب وہ خود ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔''

وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

''اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔

(جاری ہے۔۔۔۔)

مال کے متعلق حقیقی رویہ

فاروق احمد

استاذ قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

دورِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ''مادیت پرستی'' ہے۔ آج انسان کی قدر و قیمت کا تعین اس کے اخلاق، کردار یا علم سے نہیں، بلکہ اس کے بینک بیلنس، گاڑی کے ماڈل اور رہائش کے علاقے سے کیا جا رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ ''کامیابی'' صرف دولت کے حصول کا نام ہے۔ صبح سے شام تک کی ساری تگ و دو، تعلیم، ہنر اور تعلقات کا محور صرف ایک چیز بن کر رہ گئی ہے: ''مال''۔ لیکن کیا واقعی انسان کی تخلیق کا مقصد یہی تھا؟ کیا یہ مال، جسے ہم سکون کا ذریعہ سمجھتے ہیں، واقعی سکون دیتا ہے یا یہ خود ایک بے چینی بن چکا ہے؟ اسلام اس معاملے میں انتہا پسندانہ رویہ اختیار نہیں کرتا۔ وہ نہ تو رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے کہ مال کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھا جائے اور نہ ہی اسے قارونی ذہنیت کی اجازت دیتا ہے کہ انسان مال کی محبت میں خدا کو بھول جائے۔ اسلام کا مقدمہ یہ ہے کہ ''مال انسان کا خادم ہے، حاکم نہیں۔'' جب تک یہ پاؤں کی میل یا جیب کی ضرورت رہتا ہے، زندگی پر سکون رہتی ہے، لیکن جوں ہی یہ دل میں اتر جاتا ہے، انسان کی تباہی کا آغاز ہو جاتا ہے۔

یہ مقالہ اسی توازن کی تلاش ہے کہ کس طرح ہم جدید دور کی معاشی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے ایمان اور روحانیت کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

رزق کا قرآنی تصور اور ملکیت کا فلسفہ:

مال کے ساتھ درست تعلق قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے ''تصورِ رزق'' (Concept of Rizq) کی اصلاح ضروری ہے۔ ہمارے معاشرے میں رزق کو صرف ''کرنسی نوٹوں'' تک محدود کر دیا گیا ہے، حالانکہ قرآن کی رو سے رزق ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔

نعمتوں کا شمار ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ [ابراہیم: 34]

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہ سکو گے، بے شک انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔''

رزق میں صحت، وقت، نیک بیوی بچے، مخلص دوست، جسمانی و ذہنی صلاحیتیں، اور سب سے بڑھ کر ''دل کا سکون'' شامل ہے۔ اگر ایک شخص ماہانہ لاکھوں روپے کماتا ہے لیکن وہ شوگر اور بلڈ پریشر کا مریض ہے، اسے رات کو نیند نہیں آتی اور اولاد نافرمان ہے تو وہ حقیقت میں ''غریب'' ہے۔ اس کے برعکس ایک محدود آمدنی والا شخص جو اپنے گھر میں عزت اور چین کی روٹی کھاتا ہے اور جس کی راتیں پر سکون ہیں، وہ اللہ کے عظیم رزق سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ رزق کے اس وسیع تصور کو سمجھنے سے انسان کے اندر سے ''مالی احساسِ کمتری'' کا خاتمہ ہوتا ہے۔

استخلاف فی الارض (انسان کی حیثیت محض خزانچی کی ہے):

مال کے بارے میں دوسری بڑی فکری اصلاح یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ وہ مال کا ''مالک'' نہیں بلکہ ''امین'' (Trustee) ہے۔ قرآن کریم میں واضح اصول بیان کیا گیا ہے:

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ [النور: 33] ''اور انہیں اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔''

یہاں مال کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ یعنی یہ مال تمہارا ذاتی کمال نہیں بلکہ اللہ کی عطا ہے۔ جس طرح ایک بینک کا کیشیئر (Cashier) لاکھوں روپے گنتا ہے، انہیں سنبھالتا ہے، لوگوں کو دیتا ہے، مگر شام کو گھر جاتے وقت اس کا دل خالی ہوتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ پیسہ اس کا نہیں،

بینک کا ہے — بالکل اسی طرح ایک مومن دنیا میں کروڑوں کمائے، محلات تعمیر کرے، مگر اس کا دل اس یقین پر قائم رہے کہ ''حقیقی مالک اللہ ہے، میں صرف چند روزہ اختیارات کے ساتھ بھیجا گیا ایک منیجر ہوں۔'' جب یہ شعور بیدار ہوتا ہے تو نہ ملنے پر غم ہوتا ہے اور نہ چھن جانے پر ڈپریشن۔

کسبِ حلال اور معاشی اخلاقیات:

اسلام میں مال کمانے سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ حلال کمائی کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ- (مشكوة المصابيح، رقم الحديث: 2781) ''حلال کمائی کی تلاش فرض (نماز روزہ) کے بعد ایک اہم فریضہ ہے۔''

تاہم، اس کمائی کے کچھ حدود و قیود ہیں۔

پیشہ یا مشن؟

مومن اور کافر کی تجارت میں بنیادی فرق ''مقصد'' کا ہے۔ ایک مادہ پرست شخص کے لیے نوکری کا مقصد صرف تنخواہ ہے، جب کہ مومن کے لیے نوکری ایک ''ذریعہ'' ہے جس سے وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی عزت نفس کی حفاظت کرتا ہے اور معاشرے کو نفع پہنچاتا ہے۔

جب ایک ڈاکٹر مریض کو دیکھتے وقت صرف فیس کا نہ سوچے بلکہ شفا کا ذریعہ بننے کی نیت کرے، جب ایک تاجر سودا بیچتے وقت دھوکہ نہ دینے کا عزم کرے، اور جب ایک ملازم وقت کی پابندی کو امانت سمجھے، تو ان کا یہ سارا وقت ''عبادت'' میں شمار ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی معاشی سرگرمیوں کو محض ''پیٹ بھرنے'' کا عمل نہ سمجھیں بلکہ اسے ''اطاعتِ الٰہی'' کا حصہ بنائیں۔

حرام کمائی: دعا اور روحانیت کی قاتل

آج کل ''اسمارٹ انکم'' کے نام پر حرام اور مشکوک ذرائع بہت عام ہو گئے ہیں۔ آن لائن جوا، سٹہ بازی، سود پر مبنی ڈیجیٹل ٹریڈنگ، اور جھوٹ بول کر مال بیچنا معمول بن چکا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ حرام مال میں برکت نہیں ہوتی، صرف ''گنتی'' بڑھتی ہے۔ حرام رزق کا سب سے خوفناک اثر یہ ہے کہ یہ انسان کی دعاؤں کی قبولیت روک دیتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں اس شخص کا ذکر ہے جو طویل سفر کرتا ہے، پریشان حال ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر ''یارب! یارب!'' پکارتا ہے، مگر:

وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ-(صحيح مسلم، رقم الحديث: 2346)

''اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام، اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی، تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟''

یہ ایک بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ جو والدین اپنے بچوں کو حرام کمائی سے مہنگے اسکولوں میں پڑھاتے ہیں اور پھر ان کی نافرمانی کا شکوہ کرتے ہیں، انہیں سوچنا چاہیے کہ جس خون کی پرورش حرام سے ہوئی ہو، اس میں اطاعت کا اثر کیسے پیدا ہوگا؟

خرچ کرنے کا فن (انفاق اور میانہ روی):

مال کمانا مشکل ہے، لیکن اسے درست جگہ خرچ کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ قرآنِ حکیم نے خرچ کرنے کے حوالے سے ہمیں ''میانہ روی'' (The Golden Mean) کا اصول دیا ہے۔

اسراف اور تبذیر کا فرق:

فضول خرچی کے لیے قرآن نے دو الفاظ استعمال کیے ہیں: اسراف اور تبذیر۔

اسراف: جائز کام میں حد سے بڑھ جانا۔ (مثلاً کھانا بھوک سے زیادہ پکانا اور ضائع کرنا)۔

تبذیر: مال کو غلط اور ناجائز جگہوں پر اڑانا۔ (مثلاً نمود و نمائش، گناہوں کے کام)۔

قرآن نے تبذیر کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ [الاسراء: 27] ''بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔''

آج کل شادی بیاہ اور تقریبات میں جو ''اسٹیٹس'' کی جنگ لڑی جاتی ہے، یہ تبذیر کی بدترین شکل ہے۔ ہم لوگوں کی ''واہ واہ'' سمیٹنے کے لیے لاکھوں

روپے برباد کر دیتے ہیں، حالانکہ وہی رقم کسی یتیم کی تعلیم یا کسی بیوہ کے گھر کا چولہا جلانے کے کام آسکتی تھی۔

ضرورت بمقابلہ خواہش :

مالی پریشانیوں کی ایک بڑی وجہ ''ضرورت'' (Need) اور ''خواہش'' (Want) میں تمیز نہ کرنا ہے۔ جدید مارکیٹنگ کا نظام ہمیں یہ یقین دلاتا ہے کہ اگر ہمارے پاس فلاں برانڈ کا موبائل یا جوتا نہیں ہے تو ہم کمتر ہیں۔

عملی حکمت عملی : جب بھی کوئی مہنگی چیز خریدنے کا ارادہ ہو تو خود سے سوال کریں : ''کیا اس کے بغیر میرا گزارہ ممکن ہے؟'' اگر جواب ''ہاں'' ہو، تو اسے فوراً نہ خریدیں بلکہ کچھ دن مؤخر کر دیں۔ اکثر اوقات یہ صرف وقتی جذبہ ہوتا ہے جو چند دنوں میں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

مال اور سماجی ذمہ داریاں (حقوق العباد) :

اسلامی معاشیات کا حسن یہ ہے کہ یہ دولت کو گردش میں دیکھنا چاہتا ہے۔ زکوٰۃ اور صدقات وہ ٹولز ہیں جو دولت کو چند ہاتھوں میں جمنے (Concentration of Wealth) سے روکتے ہیں۔

زکوٰۃ : مال کی تطہیر

زکوٰۃ کوئی ''ٹیکس'' نہیں ہے، بلکہ یہ مال کی ''صفائی'' کا عمل ہے۔ جس طرح گھر کی صفائی سے کوڑا کرکٹ باہر نکلتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ دینے سے مال کی میل کچیل نکل جاتی ہے اور باقی مال پاک ہو جاتا ہے۔ جو تاجر زکوٰۃ روکتا ہے، وہ درحقیقت اپنے حلال مال کو بھی حرام کی آمیزش سے ناپاک کر دیتا ہے۔

قرآن کریم میں زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لیے خوشخبری ہے :

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ [البقرہ: 261]

''ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔''

خاندان پر خرچ : بہترین صدقہ

بعض دین دار لوگ باہر تو خوب خیرات کرتے ہیں مگر گھر میں کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسلام نے اس رویے کی نفی کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ دینار جو تم نے جہاد میں خرچ کیا، وہ دینار جو تم نے غلام آزاد کرنے میں خرچ کیا، اور وہ دینار جو تم نے مسکین کو دیا، ان سب میں زیادہ اجر اس دینار کا ہے ''جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔''

بیوی بچوں کی جائز ضروریات پوری کرنا، والدین کی خدمت کرنا، اور غریب رشتہ داروں کی مدد کرنا — یہ سب سے افضل صدقہ ہے۔ اسے بوجھ نہیں بلکہ ثواب سمجھ کر ادا کرنا چاہیے۔

مال کی نفسیاتی بیماریاں اور ان کا علاج :

مال جب دل کا روگ بن جائے تو تین بڑی بیماریاں جنم لیتی ہیں : حرص، حسد اور تکبر۔

1. حرص اور اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ

انسان کی فطرت ہے کہ اسے جتنا مل جائے، وہ ''اور'' کی طلب کرتا ہے۔ اس دوڑ کا انجام قبر کی مٹی پر ہوتا ہے۔ قرآن نے اس نفسیات کا نقشہ یوں کھینچا ہے :

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ [التکاثر: 2 - 1]

''تمہیں ایک دوسرے سے زیادہ مال سمیٹنے کی ہوس نے غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔''

اس کا علاج ''قناعت'' ہے۔ قناعت کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کوشش چھوڑ دے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنی محنت کے نتیجے پر راضی رہے اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس پر دل سے شکر ادا کرے۔

2. حسد : نیکیوں کی آگ

دوسروں کی گاڑی، بنگلہ یا ترقی دیکھ کر دل میں جلن محسوس کرنا ''حسد'' ہے۔ یہ وہ بیماری ہے جو انسان کا اپنا سکون برباد کرتی ہے۔ حاسد دراصل اللہ

کی تقسیم پر اعتراض کر رہا ہوتا ہے کہ ''اسے کیوں دیا اور مجھے کیوں نہیں؟''

اس کا علاج یہ ہے کہ جب کسی کی نعمت دیکھیں تو مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ- پڑھیں اور اس کے لیے برکت کی دعا کریں۔ دنیاوی معاملات میں ہمیشہ اپنے سے ''نیچے'' والوں کو دیکھیں، جب کہ دینی معاملات میں اپنے سے ''اوپر'' والوں کو۔ یہ فارمولا نبی کریم ﷺ نے سکھایا ہے اور یہ ڈپریشن کا بہترین علاج ہے۔

3. خوفِ فقر اور مستقبل کی بے جا فکر:

شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہے کہ وہ انسان کو مستقبل سے ڈراتا ہے۔ ''اگر صدقہ کیا تو کم ہو جائے گا، اگر حلال پر رہا تو گزارہ کیسے ہوگا؟'' قرآن اس خوف کی حقیقت بیان کرتا ہے:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ [البقرة: 268]

''شیطان تمہیں فقر (غریبی) سے ڈراتا ہے اور بے حیائی (بخل) کا حکم دیتا ہے۔''

مستقبل کی منصوبہ بندی (Planning) کرنا سنت ہے، لیکن مستقبل کے خوف میں گھٹ گھٹ کر جینا ایمان کی کمزوری ہے۔ رزق کا وعدہ اللہ نے اپنے ذمے لیا ہے، اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

محاسبہ اور عملی لائحہ عمل:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس تمام علم کو اپنی زندگی میں کیسے نافذ کریں؟ اس کے لیے چند عملی اقدامات تجویز کیے جا رہے ہیں:

مالی ڈائری: ایک ماہ تک اپنی آمدن اور خرچ کا حساب لکھیں۔ دیکھیں کہ کتنا پیسہ ''ضروریات'' پر جا رہا ہے اور کتنا ''خواہشات'' یا ''دکھاوے'' پر۔ یہ آڈٹ آپ کی آنکھیں کھول دے گا۔

حرام سے بائیکاٹ: آج ہی عزم کریں کہ آمدنی کا کوئی بھی ایسا ذریعہ جو مشکوک ہو، اسے ترک کر دیں گے۔ یاد رکھیں، ''جو چیز اللہ کے لیے چھوڑی جائے، اللہ اس کا نعم البدل عطا کرتا ہے۔''

صدقے کا معمول: چاہے روزانہ دس روپے ہی کیوں نہ ہوں، صدقہ کرنے کی عادت ڈالیں۔ گھر میں ایک ''صدقہ باکس'' رکھیں تاکہ بچوں میں بھی دینے کا جذبہ پیدا ہو۔

غیر مالی رزق پر شکر: روزانہ رات کو سوتے وقت اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کریں جنہیں خریدا نہیں جا سکتا (ایمان، صحت، آنکھیں، اولاد)۔

قرض سے اجتناب: حتی الامکان قرض اور قسطوں کی زندگی سے بچیں۔ یہ انسان کی آزادی چھین لیتا ہے اور راتوں کی نیند اڑا دیتا ہے۔ قرض کی سب سے بڑی اور طویل آیت (آیتِ دین) ہمیں مالی معاملات لکھنے اور محتاط رہنے کا حکم دیتی ہے۔

آخری منزل:

آخر میں ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کا یہ قیام عارضی ہے۔ ہم یہاں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آئے۔ موت کا فرشتہ جب آئے گا تو وہ بینک بیلنس نہیں دیکھے گا، بلکہ ''قلبِ سلیم'' (سلامتی والا دل) دیکھے گا۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ [الشعراء: 89 - 88]

''جس دن نہ مال فائدہ دے گا اور نہ اولاد، مگر وہ شخص (کامیاب ہوگا) جو اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آئے۔''

پس دانش مندی اس میں ہے کہ ہم مال کمائیں ضرور، لیکن اسے آخرت کا زادِ راہ بنائیں۔ مال کو جیب میں رکھیں، تجوری میں رکھیں، بینک میں رکھیں، مگر خدا کے لیے اسے ''دل'' میں جگہ نہ دیں۔ دل صرف اللہ کی محبت کا مسکن ہے۔ یہی وہ راز ہے جو انسان کو دنیا میں بھی بادشاہ بناتا ہے اور آخرت میں بھی سرخرو کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رزقِ حلال کمانے، اس میں سے اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے، اور مال کے فتنے سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بدلتے عالمی تناظر اور نیو ورلڈ آرڈر

مفتی امان اللہ قائم خانی

استاذ و مسئول شعبہ تصنیف و تالیف قرآن اکیڈمی یاسین آباد

نیو ورلڈ آرڈر کے بعد پوری دنیا عملاً ڈالرائزڈ ہو کر رہ گئی۔ ابتدا میں بہر حال یہ تاثر بڑی حد تک مطمئن کن تھا کہ ڈالر کی پشت پر سونا موجود ہے۔ اگر پوری دنیا کی تجارت کا انحصار عملاً ڈالر پر آ بھی جائے تو خطرناک نہیں، کیوں کہ ڈالر حقیقت میں ایک سرمایہ ہے۔ لیکن تقریباً 1960ء کی دہائی میں جب چین نے بڑے پیمانے پر امریکہ کو ڈالر دے کر بدلے میں سونے کا مطالبہ کیا تو امریکہ نے ڈالر کے بدلے سونا دینے سے انکار کر دیا۔ اور اب ڈالر کی پشت پر سونا موجود ہونے کا تاثر زائل ہونا شروع ہو گیا۔ جب دنیا کی عمدہ ترین کرنسی کی پشت سے سونا غائب ہوا تو بقیہ ممالک نے بھی اپنی اپنی کرنسیوں کو بے مہار چھاپنا شروع کیا، کیوں کہ اب کسی کرنسی کی پشت پر سونے کا وجود ضروری نہ تھا۔ تاہم کرنسی کی اس چھپائی کی پشت پر اب بھی یہ پیمانہ ضروری تھا کہ کوئی ملک اسی قدر کرنسی چھاپے جس قدر اس کے پاس زر مبادلہ کے ذخائر موجود ہوں۔ یہ معیار بھی کچھ ہی عرصہ چلا۔ مگر عملی طور پر زیادہ نہ چل سکا، کیوں کہ ہر ملک نے کرنسی کو کسی قدر زر مبادلہ کے ذخائر سے ربط تو ضرور دیا، مگر وہ ربط سو فیصد نہ تھا۔ یعنی کرنسی کی پشت پر اسی قدر زر مبادلہ کے ذخائر بھی موجود نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ اب ہمارے اس دور میں رائج معیار یہ ہے کہ جو ملک جس قدر طاقتور اور مضبوط ہے وہ اسی قدر اپنی کرنسی کی پشت پر زر مبادلہ کے ذخائر کی بجائے اپنی گارنٹی کو بھی رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستانی حکومت کے پاس کل زر مبادلہ کے ذخائر اگر ستر کھرب روپے کے ہیں، تو پاکستان کو موجودہ معیاری قوانین کی رو سے اس بات کی اجازت حاصل ہے کہ وہ ایک سو بیس کھرب روپے کے مالیاتی نوٹ پرنٹ کر کے مارکیٹ میں ڈال دے۔ اس طرح پاکستانی روپے کی پشت پر تقریباً ساٹھ فیصد کے قریب زر مبادلہ کے ذخائر ہیں، جو در حقیقت اصل مال یا مال کے بدلے میں آنے والی اشیا ہیں، اور چالیس فیصد پاکستانی حکومت کی گارنٹی ہے کہ حکومت کسی نہ کسی طرح اس روپے کے بدلے مال یا زر مبادلہ دے گی۔

یہیں سے ہمیں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ کسی ملک کو عالمی یا ملکی سطح پر کوئی بڑا نقصان یا فائدہ پہنچ رہا ہو تو اس ملک کی کرنسی ان حالات سے کیوں متاثر ہوتی ہے۔ کیوں کہ کرنسی کی پشت پر ایک خاصی بڑی حیثیت اس گارنٹی کی بھی ہوتی ہے جو اس حکومت یا ریاست کے وجود سے جڑی ہوتی ہے، تو جب اس ملک کی ساکھ متاثر ہوگی تو اس کی کرنسی بھی یقیناً متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اس بنیادی بات کو سمجھ لینے کے بعد ہم آتے ہیں امریکہ کی طرف، اس وقت محتاط اندازے کے مطابق امریکی ڈالر کی پشت پر صرف بیس سے تیس فیصد مال یا زر مبادلہ کے ذخائر موجود ہیں، جب کہ ستر یا اسی فیصد امریکی حکومت یا ریاست کی گارنٹی ہے کہ وہ ڈالر کے بدلے میں مال یا زر مبادلہ ادا کرنے کی پابند ہے۔ اس طرح امریکہ وہ واحد ملک یا ریاست ہے جو محض اپنی ساکھ اور قوت کی بنیاد پر خود کو خود سے تقریباً چھ گنا زیادہ بڑا بنا کر پیش کر رہا ہے، اور یوں پوری دنیا کی تجارت امریکہ کی ساکھ کی بنیاد پر ہو رہی ہے، یعنی امریکہ کی ساکھ یا وجود پوری دنیا کی تجارت کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اور دوسری جانب یہ حقیقت بھی ہم پر آشکارا ہوتی ہے کہ پوری دنیا کی معیشت اصل میں امریکہ کو قائم رکھے ہوئے ہے، کیوں کہ دنیا ڈالر کو مال مانتی ہے اور امریکہ جب چاہے اور جتنا چاہے ڈالر چھاپ سکتا ہے، ڈالر کی چھپائی امریکہ کی اپنی مرضی پر موقوف ہے کہ جتنا چاہے چھاپ کر دنیا میں مال کے طور پر پھیلا دے۔ کرنسی پرنٹ کے معیارات اور اصول کو وہ اسی قدر اہمیت دیتا ہے جتنی اہمیت اس کے نزدیک اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کی ہوتی ہے۔

ان دونوں حقائق کی روشنی میں زیادہ تاخیر کیے بغیر ہمارا دماغ یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ عالمی سطح پر ڈالر میں تجارت سے انکار امریکہ کے لیے محض کوئی سیاسی جھٹکا نہیں، بلکہ یہ دراصل اس بات کا اعلان ہے کہ ہم امریکی ڈالر پر اعتماد نہیں کرتے، اور اسے مال نہیں مانتے۔ اس سے امریکہ کی نہ صرف سلامتی داؤ پر لگتی ہے بلکہ امریکی عفریت کا وجود ڈگمگا جاتا ہے۔ کیوں کہ جب عالمی معیشت ڈالر کو مال کے طور پر قبول نہ کرے تو امریکہ کو اپنی ساکھ اور پورا عفریتی وجود برقرار رکھنے کے لیے مال سامنے لانا ہوگا، اور حقیقی مال امریکہ کے پاس اپنی بنیادی ضروریات جتنا بھی موجود نہیں۔ اس طرح یہ عفریت چند ہی دنوں میں اپنے وجود سے محروم ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امریکہ کے لیے اپنی ساکھ کو بچانا اور بحال رکھنا بھی اسی لیے لازمی ہے تاکہ اس کا وجود برقرار رہ سکے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ کی ساکھ ختم ہوئی تو امریکی عفریت بھی وجود سے محروم ہو جائے گا۔

اسی ساکھ کا کمال ہے کہ امریکی سامراج جو چاہے کرتا ہے، کوئی اس کے سامنے نہیں آ سکتا۔ روس اور یوکرائن جنگ میں امریکہ نے کوئی پروا کیے بغیر اپنی مطلق العنان مرضی سے جب چاہے یوکرائن کو سفارتی ہزیمت سے دوچار کیا، اور جب چاہا اس کی خوب جنگی مدد کی۔ مقابلے میں نہ یورپ کچھ بول پایا اور نہ روس کچھ کر پایا۔ کبھی غزہ میں رہائشی منصوبے پاس کیے تو کبھی اہل غزہ کو علاقہ بدر کرنے کی بات کرتا نظر آیا، کبھی عراق پر ہلہ بول دیا تو کبھی افغانستان کو تاخت و تاراج کر دیا، کبھی چائنہ کا محاصرہ سخت کر دیا تو کبھی وینزویلا کے صدر کو غنڈوں کی طرح اغوا کر لایا۔ دنیا صرف ایک تماشابین بن چکی ہے، اقوام متحدہ ایک مزاح بن چکی ہے تو سلامتی کونسل اس کے ویٹو پاور کا ایک مظہر بن چکی ہے۔

یہاں سے ہم آتے ہیں موجودہ اسرائیل ایران جنگ کی طرف، جو تقریباً ایک ماہ قبل شروع ہوئی اور امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کی خواہش کے مطابق اس جنگ میں اپنا بھرپور حصہ ڈال رکھا ہے۔ ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ یہ جنگ عالمی تناظر میں بہت بدلاؤ پیدا کر رہی ہے۔ کیوں کہ جنگ کے آغاز میں امریکی تجزیہ نگاروں اور سیاست دانوں کا خیال تھا کہ یہ تقریباً دو سے تین ہفتے کی جنگ ہے جو ایران کے رہبر اعلیٰ کی ہلاکت کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی، کیوں کہ جیسا اسرائیل نے انہیں باور کروایا تھا کہ ایران میں عوامی انقلابی دستے زمام حکومت سنبھالنے کو بے تاب ہیں، بس چند عہدیداروں اور رہبر اعلیٰ کو ٹھکانے لگانا ہے۔ لیکن خدا کو شاید کچھ اور ہی منظور ہے۔ ایرانیوں کی تقریباً تمام مقتدرہ کی شہادت کے بعد بھی ایرانیوں کے حوصلے بلند ہیں اور کوئی عوامی مخالفت ابھر کر منظر عام پر نہیں آ رہی۔ اس لیے جنگ کا تخمینہ اب ہفتوں میں نہیں بلکہ مہینوں میں جا رہا ہے، اس کے بعد بھی رجیم چینج کا یہ مفروضہ کافی پھیکا دکھائی دیتا ہے۔ ایرانیوں کے نہ صرف حوصلے بلند ہیں بلکہ عملی طور پر بھی وہ کافی مضبوط کارروائیاں کر رہے ہیں، وہ نہ صرف امریکہ و اسرائیل کے خلاف اپنی جنگی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں، بلکہ ہر اس تنصیب کو نشانہ بنا رہے ہیں جو امریکہ و اسرائیل کے مفادات کے لیے قائم کی گئی ہے، خواہ وہ تنصیب کسی بھی ملک میں ہو۔ اور چونکہ ایرانیوں کی یہ مزاحمت کافی منظم ہے اس لیے عالمی طور پر اس جنگ کی وجہ سے شدید بے چینی پیدا ہو رہی ہے کہ جنگ کسی ایک طرف جاتی دکھائی نہیں دے رہی۔ اور دوسری طرف ایرانی پاسداران انقلاب نے آبنائے ہرمز کو بھی مکمل کنٹرول کرنا اور وہاں سے سلامتی سے گزرنے والے ٹینکروں سے چنگی وصول کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور بقول ایرانی حکومت کے یہ چنگی بھی ڈالر کی بجائے چینی کرنسی یوآن میں وصول کی جائے گی۔ امریکہ اور اسرائیل اس ایرانی اقدام کے سامنے بظاہر بے بس دکھائی دے رہے ہیں، اور امریکی اتحادی اپنے سربراہ کی اس ہزیمت اور بے بسی کو دیکھتے ہوئے یہاں کے لیے کمر کسنے کو ہرگز تیار نظر نہیں آتے۔

اول: ان تمام باتوں کے سبب یعنی جن خلیجی ملکوں کو امریکی آرمی اور سیکورٹی کی ضمانت تھی وہ اب غیر محفوظ ہو چکے۔

دوم: آبنائے ہرمز جیسی قیمتی گزرگاہ پر ایران کا مکمل کنٹرول جسے امریکہ ختم نہیں کر پا رہا۔

سوم: آبنائے ہرمز سے گزرنے والے ٹینکروں سے یوآن میں چنگی وصولی جو ڈالر کے لیے ایک چیلنج بنتی نظر آ رہی ہے۔

چہارم: امریکی سرد دشمن یعنی چائنہ اور روس کے لیے ایک کھلا میدان (ایران کی صورت میں) میسر آنا، جہاں وہ امریکی غبارے کو مکمل طور پر نہ صرف بے آبرو کر سکتے ہیں بلکہ اپنے پچھلے تمام بدلے بھی چکا سکتے ہیں۔

پنجم: اسرائیل کی اندھی پشت پناہی، جسے امریکہ کے علاوہ تو دنیا جانتی ہی تھی مگر اب امریکی سیاست دان بھی اس کا واویلا کرتے نظر آ رہے

ہیں۔ کچھ نہیں پتا کہ پالتو بچے کی یہ اندھی محبت آئندہ امریکہ کو کس گڑھے میں پھنسا دے۔

الغرض ان تمام عوامل کی بنا پر امریکی ساکھ شدید ترین متاثر ہوئی ہے اور امریکی ساکھ کا متاثر ہونے درحقیقت معنیٰ رکھتا ہے امریکہ کے وجود کے ڈگمگا جانے سے۔

بہرحال ہم امید کر سکتے ہیں، اور ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ پاک مظلوم ایرانیوں کو اس جنگ میں مکمل فتح عطا فرمائے۔ اور اس کے نتیجے میں دنیا یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ امریکہ اور اس کا ڈالر اور اس کی گارنٹی اور اس کی معیشت کی اصل حقیقت کیا ہے اور اس تناظر میں اس کا عالمی مقام کیا ہونا چاہیے۔ اگر یہ ہو جائے وہ دن ان شاء اللہ دور نہیں کہ امریکی عفریت ماضی کا ایک قصہ پارینہ بن کر رہ جائے اور بحیثیت مسلمان اللہ پر ہمارا کامل ایمان ہے کہ اگر تمام اسلامی ممالک اللہ کی گارنٹی کو سمجھ لیں، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور آپس میں اتحاد و اتفاق سے کوئی ایسی تنظیم بنائیں جن کے پاس ان کی آزاد معیشت اور آزاد فوجی قوت موجود ہو تو مسلمان اپنی عظمت رفتہ کو پھر سے پا سکتے ہیں۔

رمضان کے بعد کا محاسبہ

امین اللہ معاویہ

فاضل جامعہ الصفہ، معاون شعبہ تصنیف و تالیف قرآن اکیڈمی یاسین آباد

رمضان المبارک ایک موسمی عبادت کا نام نہیں، بلکہ ایک ہمہ گیر تربیتی نظام ہے۔ جس کا مقصد انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایسی پائیدار تبدیلی پیدا کرنا ہے جو باقی سال بھی برقرار رہے۔ اس لیے رمضان کے اختتام پر سب سے بنیادی سوال یہی ہے کہ ہم اس ماہِ مبارک سے کیا حاصل کر کے نکلے ہیں۔

رمضان المبارک رحمتوں، برکتوں اور مغفرتوں کا مہینہ بن کر آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے رخصت ہوگیا۔ اس مہینے میں ہم نے عبادات کا خصوصی اہتمام کیا، قرآن سے تعلق بڑھایا، نمازوں میں خشوع پیدا کرنے کی کوشش کی اور گناہوں سے بچنے کا عزم کیا۔ مگر اب اصل سوال یہ ہے کہ ہم رمضان سے کیا لے کر نکلے، کیا رمضان ہمارے اندر کوئی مستقل تبدیلی پیدا کر سکا یا وہ صرف چند دنوں کی عارضی کیفیت تھی جو چاند کے ساتھ ہی رخصت ہوگئی!

آئیے دیکھتے ہیں کہ رمضان کی یہ تربیت واقعی ہمارے اندر کہاں تک اثر انداز ہوئی۔

تقویٰ: رمضان کا اصل ہدف

قرآن حکیم میں روزے کی فرضیت کا مقصد واضح کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [البقرة: 183]

''تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو''۔

گویا رمضان ایک تربیتی نظام ہے جس کا ہدف تقویٰ کا حصول ہے۔ رمضان دراصل ایک تربیتی کورس تھا، جس کا مقصد صرف وقتی عبادت نہیں، بلکہ مستقل اصلاح تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ تقویٰ ہمارے دلوں میں باقی ہے یا رمضان کے ساتھ ہی رخصت ہوگیا!

قرآن سے تعلق: رمضان کا مرکزی سبق

اسی طرح رمضان کا ایک مرکزی پہلو قرآن سے تعلق کی تجدید ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ [البقرة: 185]

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے سراپا ہدایت ہے''۔

یہ نسبت اس امر کی متقاضی ہے کہ رمضان میں پیدا ہونے والا تعلقِ قرآن باقی سال میں بھی قائم رہے۔ ہم نے رمضان میں قرآن کی تلاوت کی، تراویح میں کھڑے ہوئے، دعاؤں کا اہتمام کیا، سنا، پڑھا اور سمجھنے کی کوشش کی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ-(صحيح البخاري، رقم الحديث: 5027)

''تم میں سب سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید پڑھے اور پڑھائے''۔

اور ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ-(مشكوة المصابيح، رقم الحديث: 2120)

''قرآن پڑھا کرو، کیوں کہ وہ روزِ قیامت اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا''۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہمارا یہ تعلق رمضان کے بعد بھی اسی طرح قائم ہے یا ہم نے اس نور کو وقتی مشق سمجھ کر پسِ پشت ڈال دیا؟

اخلاقی تربیت اور ضبطِ نفس :

مزید یہ کہ رمضان ضبطِ نفس (Self-Control) اور اخلاقی تزکیہ کا بھی ذریعہ ہے۔ ہم نے جھوٹ، غیبت اور فضول باتوں سے بچنے کی کوشش کی، مگر کیا ہماری زبان اب بھی محفوظ ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ-(صحيح البخاری، رقم الحديث: 1903)

''اگر کوئی شخص جھوٹ بولنا اور دغا بازی کرنا (روزے رکھ کر بھی) نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے''۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا :

إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ يَوْمًا صَائِمًا، فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ-(صحيح المسلم، رقم الحديث: 2703)

''جب تم میں سے کوئی کسی دن روزے سے ہو تو وہ فحش گوئی نہ کرے، نہ جہالت والا کوئی کام کرے''۔

یہ احادیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ روزہ محض ایک ظاہری عمل نہیں، بلکہ ایک جامع اخلاقی و باطنی تربیت ہے۔ لہٰذا اگر رمضان کے بعد بھی ہمارے اخلاق میں بہتری، زبان میں احتیاط، اور معاملات میں دیانت پیدا نہیں ہوئی تو ہمیں سنجیدگی کے ساتھ یہ جائزہ لینا ہوگا کہ ہمارے روزوں نے ہماری شخصیت اور کردار میں کیا تبدیلی پیدا کی ہے۔

رمضان کا حقیقی حاصل : کردار کی تبدیلی

حقیقت یہ ہے کہ رمضان کا اصل مقصد ہمیں ایک بہتر انسان بنانا تھا—ایسا انسان جس کے دل میں نرمی ہو، جس کے اخلاق میں بہتری ہو اور جس کی زندگی اللہ کی اطاعت کے تابع ہو۔ اگر رمضان کے بعد ہماری نمازیں برقرار ہیں، قرآن سے تعلق زندہ ہے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش جاری ہے تو سمجھ لیجیے کہ ہم نے رمضان سے کچھ حاصل کیا ہے، ورنہ ہمیں اپنا احتساب کرنا ہوگا۔

اجتماعی تربیت اور دعوتی ذمہ داری :

اجتماعی اور دعوتی تناظر میں دیکھا جائے تو رمضان دراصل ایک اجتماعی تربیتی عمل (Collective Training Process) اور تربیتی کیمپ ہے، جس میں افراد کو تیار کیا جاتا ہے تاکہ وہ دین کی اقامت کی جدوجہد میں موثر کردار ادا کر سکیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى [المائدہ: 2]

''اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو''۔

ماہِ شوال : استقامت کا امتحان

اب ماہِ شوال اور اس کے بعد کے مہینے دراصل اسی تربیت کا امتحان ہیں۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں استقامت (Consistency) کا تقاضا ہے۔ فرمایا گیا :

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا [حم السجدہ: 30]

''جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے''۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

أَحَبُّ الأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ-(صحيح المسلم، رقم الحديث: 1830)

''اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین کام وہ ہے جس پر ہمیشہ عمل کیا جائے اگرچہ وہ قلیل ہو''۔

اصل کامیابی اسی استقامت میں ہے کہ رمضان کے بعد بھی نمازوں کی پابندی قائم رہے، قرآن سے تعلق برقرار رہے، اخلاق میں نرمی اور عاجزی پیدا ہو اور دین کی اجتماعی جدوجہد میں عملی شرکت ہو۔

احتسابِ نفس : چند بنیادی سوالات

پس رمضان کے بعد ایک سنجیدہ مسلمان کے لیے چند بنیادی سوالات ناگزیر ہیں :

- کیا میرے اندر تقویٰ کی کیفیت پیدا ہوئی۔
- کیا میرا تعلق قرآن سے مضبوط ہوا۔
- کیا میرے اخلاق اور معاملات میں بہتری آئی۔
- کیا میں دین کی اجتماعی جدوجہد کے لیے زیادہ سنجیدہ ہوا۔
- آخر میں ہر شخص کو اپنے دل سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیے کہ کیا رمضان نے مجھے بدلا، کیا میں اللہ کے قریب ہوا۔

اگر ان سوالات کے جوابات مثبت ہیں تو یہ رمضان کی حقیقی کامیابی ہے، اور اگر کمی محسوس ہو تو ابھی بھی وقت ہے کہ ہم اپنا احتساب کریں اور اس تربیت کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کے رمضان المبارک میں کیے گئے تمام نیک اعمال کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اور انہیں ہماری بخشش و مغفرت کا ذریعہ بنا دے۔

اے اللہ! ہماری تمام کوتاہیوں اور کمیوں سے درگزر فرما، اور ہمیں اپنی رحمتِ کاملہ سے نواز۔

اے رب العالمین! ہمیں ان نیک اعمال پر استقامت عطا فرما اور ان میں مزید اخلاص، ترقی اور بڑھوتری نصیب فرما۔

آمین یا رب العالمین۔

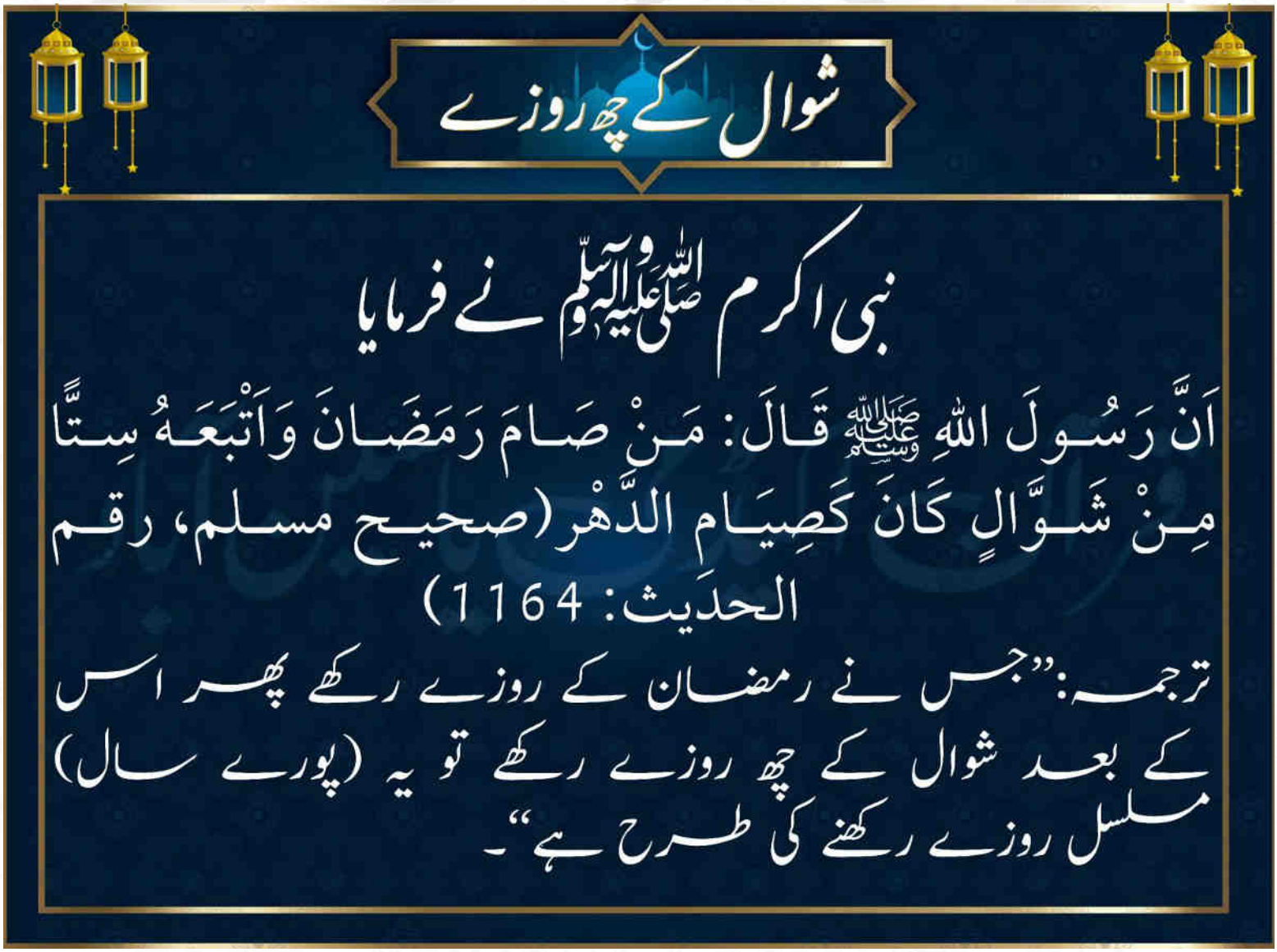

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت اور اصل کرنے کا کام

عمر فاروق شیخ

معاون شعبہ سوشل میڈیا، قرآن اکیڈمی یاسین آباد

گزشتہ صدی عیسوی میں پیدا ہونے والی وہ تمام شخصیات، جنہوں نے احیائے دین کے مختلف گوشوں میں اپنی زندگیاں صرف کیں—اگر ان سب کی تعلیمات کا نچوڑ کسی ایک شخصیت کی تحریرات و تقاریر میں دیکھنا ہو تو بلاشبہ وہ شخصیت ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

ماہِ اپریل جب بھی آتا ہے تو جہاں علامہ محمد اقبال کا ذکر نمایاں ہوتا ہے، وہیں محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی مختلف جرائد اور ذرائع ابلاغ میں جگہ پاتا ہے۔ یقیناً ان کی شخصیت اور خدمات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس لیے یہاں ان کی حیات و خدمات کے تفصیلی بیان کے بجائے ایک خاص پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

عموماً جب دنیا کو ایسے حالات کا سامنا ہوتا ہے جن کی پیش گوئی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و حدیث کے فہم کی روشنی میں کی ہوتی تھی، تو سوشل میڈیا پر ان کے بیانات اور کلپس بڑے پیمانے پر شیئر کیے جاتے ہیں، اور لوگ حیرت سے کہتے ہیں: ”کیا شخصیت تھی، سب کچھ پہلے ہی بتا دیا تھا“۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس موقع پر ہم درحقیقت وہی طرزِ عمل اختیار کر رہے ہوتے ہیں جو عمومی طور پر ہم نے شریعت کے ساتھ روا رکھا ہے، یعنی ہم دین کے ان احکام کو تو قبول کر لیتے ہیں جو ہماری خواہشات اور سہولت کے مطابق ہوں، بلکہ ان کے داعی بھی بن جاتے ہیں، مگر جونہی کوئی حکم ہمارے کمفرٹ زون سے باہر ہوتا ہے، ہم اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

بالکل اسی طرح ہم عظیم شخصیات کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کرتے ہیں۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے محض امت کے امراض کی نشاندہی ہی نہیں کی، بلکہ ایک معالج کی حیثیت سے ان روحانی بیماریوں کے علاج اور ان کی دوا بھی واضح طور پر بیان کی۔ وہ مسلسل اسی پیغام کو عام کرتے رہے، یہاں تک کہ 14 اپریل 2010ء کو اس دارِفانی سے رخصت ہو گئے۔

لہٰذا اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان شخصیات کے احسان مند بنیں۔ محض زبانی خراج عقیدت، نظمیں یا تعریفی کلمات ان سے حقیقی وابستگی کا حق ادا نہیں کرتے۔ بلکہ حقیقی عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے مشن کو آگے بڑھایا جائے اور ان اداروں کو مضبوط کیا جائے جو وہ قائم کر گئے، مثلاً تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن۔

چاہے مرد ہوں یا خواتین، نوجوان ہوں یا بزرگ—سب کو چاہیے کہ ان اداروں کے ساتھ جڑ کر اس مشن کو اپنائیں، جو درحقیقت مشنِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تسلسل ہے، اور اپنی صلاحیتوں اور زندگیوں کو اسی طرح اس کے لیے وقف کر دیں جس طرح 78 سالہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو اس راہ میں کھپا دیا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگ و محسن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کامل مغفرت فرمائے، اور ہمیں ان کے قائم کردہ اداروں کو مضبوط کرنے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

احیائے دین کا معمار

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد معاویہ

فاضل جامعہ الصفہ، معاون شعبہ تصنیف و تالیف قرآن اکیڈمی یاسین آباد

برصغیر کی تاریخِ احیائے دین میں بعض ایسی عظیم شخصیات بھی گزری ہیں جنھوں نے نہ صرف اپنے عہد کے چیلنجز کا مقابلہ کیا، بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک مستقل فکری و عملی راستہ بھی متعین کر دیا۔ حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ انہی عظیم المرتبت ہستیوں میں سے ہیں، جو غیر منقسم ہندوستان کے ایک اہلِ سنت متبحر عالم، جلیل القدر محدث، جنگِ آزادی کے عظیم مجاہد، صوفی اور تحریک دیوبند کے سرکردہ قائد اور دارالعلوم دیوبند کے بانیان میں سے ایک نمایاں شخصیت شمار ہوتے ہیں۔

انیسویں صدی کے وسط میں برصغیر کے مسلمانوں کے حالات بہت نازک ہو چکے تھے۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمان سیاسی اقتدار، معاشی استحکام اور تعلیمی برتری — تینوں محاذوں سے محروم ہو چکے تھے۔ نوجوان نسل علمی پسماندگی کا شکار تھی، جب کہ عوام کا ذہن خوف اور اضطراب میں مبتلا تھا، اور بیرونی تہذیبی اثرات مسلمانوں کی دینی شناخت کو متاثر کر رہے تھے۔ ایسے حالات میں ایک ایسی بصیرت افروز قیادت کی ضرورت تھی جو امت کو علم، فکر اور عمل کی بنیاد پر سنبھال سکے۔

اسی پرآشوب دور میں 1833ء میں سہارنپور کے قریب واقع گاؤں نانوتہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی۔ ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولنے کے باعث بچپن ہی سے علم و دین کی طرف فطری رجحان نمایاں تھا۔

تعلیم اور علمی تربیت:

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، جہاں انہوں نے عربی حروف، قرآن مجید کی ابتدائی تعلیمات اور فقہ کی بنیادی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں وہ دیوبند گئے اور مولانا مہتاب علی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب میں داخل ہو کر اپنی تعلیم کو آگے بڑھایا۔ اس کے بعد سہارنپور میں اپنے نانا کے ساتھ قیام کے دوران آپ نے مولانا نواز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عربی اور نحو و صرف کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد 1843ء کے اواخر میں مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ انہیں اپنے ساتھ دہلی لے گئے، جہاں انہوں نے کافیہ سمیت دیگر اعلیٰ درسی کتب کی تکمیل کی۔ اور مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے منطق، فلسفہ اور علم کلام پر متعدد کتابیں پڑھیں، جس کے نتیجے میں ان کے اندر فکری گہرائی، تنقیدی بصیرت اور ذہنی پختگی پیدا ہوئی۔ فقہ، منطق اور علمِ کلام میں مہارت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیثِ شریف، خصوصاً صحاحِ ستہ کی تکمیل کی، جس سے ان کی علمی تربیت اپنے کمال کو پہنچی۔

اساتذہ کی صحبت اور علمی ماحول نے ان میں تحقیقی صلاحیتوں، تنقیدی سوچ اور علمی بصیرت کو مزید نکھارا۔ انہوں نے نہ صرف روایتِ علمی کو گہرائی سے سمجھا بلکہ اپنے زمانے کے فکری مسائل، مختلف علمی رجحانات اور مغربی و مشرقی علوم کے تقابل کا بھی شعوری ادراک حاصل کیا، یہی عناصر ان کی ہمہ جہت علمی و فکری شخصیت کی تشکیل کا بنیادی سبب بنے۔

تاریخی پس منظر اور تعارفِ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف تاریخ میں محض ایک فرد کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک عہد ساز شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ آپ کی زندگی اور خدمات کو سمجھنے کے لیے اس دور کے مجموعی حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، جس میں مذہبی، فکری اور تعلیمی

سطح پر بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

برصغیر میں انگریز اقتدار کا قیام ایک تدریجی عمل کے ذریعے ہوا، جس نے رفتہ رفتہ پورے نظام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی بنیادیں متزلزل ہو گئیں۔ بالخصوص 1857ء کے بعد یہ تبدیلیاں مزید شدت اختیار کر گئیں اور ایک نئے فکری و تعلیمی دور کا آغاز ہوا۔

اسی پس منظر میں مسلمانوں کے اندر مختلف فکری و تعلیمی تحریکات نے جنم لیا۔ چنانچہ دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث جیسے مکاتبِ فکر سامنے آئے، جب کہ جدید تعلیم کے میدان میں سر سید احمد خان کی قیادت میں علی گڑھ تحریک وجود میں آئی۔ یہ تمام تحریکات درحقیقت اسی بدلتے ہوئے ماحول کا ردِ عمل تھیں۔

ان حالات میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف تین نمایاں پہلوؤں سے سامنے آتا ہے:

اول، آپ دیوبندی مکتبۂ فکر کے بانیوں میں سے ہیں۔ آپ کے ساتھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ وہ مرکزی شخصیات ہیں جنھوں نے اس مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی اور اسے ایک مضبوط علمی و فکری سمت عطا کی، جو بعد میں برصغیر میں احیائے دین کی ایک مستحکم تحریک بن گئی۔

دوم، آپ ایک نئے تعلیمی نظام کے معمار بھی ہیں، جس کا عملی اظہار دارالعلوم دیوبند کے قیام کی صورت میں ہوا۔ یہ ادارہ صرف ایک مدرسہ نہیں، بلکہ ایک ہمہ گیر تعلیمی اور دینی تحریک بن گیا۔ جس نے مسلمانوں کے تعلیمی اور دینی شعور کو نئی راہ دی۔ جس کی عملی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

سوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تاریخی تعارف 1857ء کی جنگ آزادی میں ان کی شرکت سے بھی وابستہ ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ اس دور کے حالات کا مختصر پس منظر بیان کیا جائے۔

1757ء سے پہلے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی کمپنی کے طور پر موجود تھی۔ برطانیہ، فرانس اور ہالینڈ کی الگ الگ کمپنیاں کام کر رہی تھیں، لیکن برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی سب پر غالب آگئی۔ 1757ء میں بنگال کے نواب سراج الدولہ رحمۃ اللہ علیہ نے کمپنی کی کچھ ٹیکسوں اور پابندیوں کے خلاف مزاحمت کی، جس کے نتیجے میں کمپنی نے بغاوت کی، سراج الدولہ شہید ہوئے اور بنگال پر قبضہ ہو گیا۔ بعدازاں ایسٹ انڈیا کمپنی نے میسور اور لکھنؤ پر بھی قبضہ کیا اور طویل جنگیں جاری رہیں۔

جب ایسٹ انڈیا کمپنی دہلی کے نزدیک پہنچی، تو اس وقت مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی تخت نشین تھے۔ بڑھتے ہوئے خطرے کے پیش نظر، انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ مذاکرات کیے، جن میں یہ طے پایا کہ بادشاہ شاہ عالم ہی رہیں گے، بادشاہت بھی مغلوں کی رہے گی، سکہ اور نام بھی ان کا چلے گا لیکن مالیاتی کنٹرول ایسٹ انڈیا کمپنی کرے گی۔ اس کی مثال جیسے آج کل یہی ہو رہا ہے کہ نام اور ٹائٹل ہمارا ہے لیکن مالیاتی کنٹرول آئی ایم ایف کے ہاتھ میں ہے۔ اس تقسیم کو یوں بیان کیا گیا:

''زمین خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔''

بالکل یہی پریکٹیکل شکل تھی جو آج آئی ایم ایف کی ہے کہ مالیاتی کنٹرول اُن کے ہاتھ میں ہے اور باقی نظام ہمارے نام پر ہے۔

اس اعلان کے بعد حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان اب دارالحرب ہے اور جہاد فرض ہے۔ اس کے تحت مسلمانوں کے لیے بغاوت اور خروج کرنا واجب قرار پایا۔ اسی ترتیب میں 1831ء میں بالاکوٹ کی جنگ ہوئی، جس کے بعد دہلی اور ملک کے دیگر حصوں میں جہادی و بغاوتی تحریکیں جاری رہیں، اور یہ سلسلہ 1857ء کی جنگ آزادی تک پہنچا۔

اسی پس منظر میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی علمی، فکری اور تحریکاتی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا، جنھوں نے اپنے علمی و فکری رہنمائی کے ذریعے مسلمانوں کو اجتماعی اور شعوری انداز میں دین کے تقاضوں سے آگاہ کیا۔

فکری بنیادیں :

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر چند بنیادی اصولوں پر قائم تھی۔ ان کے نزدیک علم کی بنیاد دین ہونا چاہیے، نہ کہ محض دنیاوی مفاد۔ وہ علم و عمل کے باہمی تعلق کو نہایت ضروری سمجھتے تھے اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ امت کی حقیقی اصلاح کے لیے منظم، علمی اور تربیتی اقدامات ضروری ہیں۔ انہوں نے اس حقیقت کو گہرائی سے محسوس کیا کہ محض جذباتی ردِ عمل یا وقتی اقدامات امت کے مسائل کا حل نہیں، بلکہ ایک مضبوط علمی و فکری بنیاد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان کی فکر میں اعتدال، جامعیت اور حکمت نمایاں نظر آتی ہے، جو بعد ازاں ان کی عملی جدوجہد میں واضح طور پر جھلکتی ہے۔

یہی فکری اصول آگے چل کر ان کی پوری جدوجہد، خصوصاً دینی تعلیم کے احیا اور ایک منظم تعلیمی نظام کے قیام میں مرکزی حیثیت اختیار کر گئے۔

تصوف اور روحانی تربیت :

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا ایک اہم مگر نہایت متوازن پہلو ان کا تصوف اور روحانی تعلق ہے۔ آپ کا تعلق سلسلۂ چشتیہ کے جلیل القدر شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، جن سے آپ نے بیعت و سلوک اختیار کیا اور باطنی اصلاح و تربیت کے مراحل طے کیے۔

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا تصوف کسی رسمی یا محض خانقاہی نظام تک محدود نہیں تھا، بلکہ وہ شریعت کے تابع، اعتدال پر مبنی اور عملی زندگی سے جڑا ہوا تھا۔ آپ کے نزدیک دین کا حقیقی حسن اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب ظاہر (اعمال و شریعت) اور باطن (اخلاص و تزکیہ) میں ہم آہنگی پیدا ہو۔ آپ نے اپنے شیخ کی صحبت سے جو روحانی فیض حاصل کیا، اس کا اثر آپ کی پوری زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔ زہد، تقویٰ، اخلاص اور للہیت آپ کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔ تاہم آپ نے تصوف کو کبھی گوشہ نشینی یا دنیا سے کنارہ کشی کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ اسے اصلاحِ نفس، خدمتِ دین اور امت کی رہنمائی کا مؤثر وسیلہ بنایا۔

اسی متوازن تصورِ تصوف کا نتیجہ تھا کہ آپ کی علمی و فکری جدوجہد میں روحانیت کی گہرائی بھی موجود تھی اور عملی میدان میں استقامت اور حکمت بھی۔ یوں آپ کی ذات اس حقیقت کی عملی تفسیر بن گئی کہ صحیح تصوف انسان کو دنیا سے کاٹتا نہیں، بلکہ دین کی خدمت کے لیے زیادہ مؤثر اور مخلص بناتا ہے۔

جنگِ آزادی 1857ء میں کردار :

1857ء کی جنگِ آزادی برصغیر کی تاریخ کا ایک فیصلہ کن مرحلہ ثابت ہوئی، جس میں مختلف طبقاتِ فکر کے ساتھ علمائے کرام نے بھی بھرپور عملی شرکت کی۔ یہ محض ایک وقتی ردِ عمل نہیں تھا بلکہ ایک طویل فکری، دینی اور عملی تیاری کا نتیجہ تھا، جس میں علما نے امت کی رہنمائی کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا۔

جب برصغیر کے مختلف علاقوں میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی فضا قائم ہوئی تو دینی حلقوں میں بھی اس جدوجہد کو منظم کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ تھانہ بھون میں اکابر علما کا ایک اجتماع منعقد ہوا، جس میں باقاعدہ مشاورت کے بعد ایک منظم قیادت کا انتخاب کر کے ایک باقاعدہ نظم ترتیب دیا گیا۔ اس نظم کے تحت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو امیر المومنین مقرر کیا گیا، جو اس وقت روحانی و دینی اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو جنگی قیادت کی ذمہ داری سونپی گئی، جب کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا تاکہ اس جدوجہد کو شرعی و تنظیمی بنیاد فراہم کی جا سکے۔

اس منظم قیادت کے تحت شاملی کے محاذ پر باقاعدہ جنگ لڑی گئی۔ یہ محض ایک علامتی اقدام نہیں تھا، بلکہ عملی طور پر ایک منظم عسکری کوشش تھی، جس میں علما اور ان کے رفقا نے شرکت کر کے اپنی دینی و ملی ذمہ داری ادا کی۔ اس معرکے میں وقتی طور پر کامیابی بھی حاصل ہوئی اور شاملی کا محاذ فتح ہوا، جو اس بات کی دلیل تھا کہ یہ جدوجہد محض جذباتی نہیں، بلکہ ایک سنجیدہ اور منظم کوشش تھی۔

تاہم مجموعی طور پر 1857ء کی جنگِ آزادی ناکامی پر منتج ہوئی۔ اس ناکامی کے متعدد اسباب تھے، جن میں مجاہدین کے درمیان مؤثر اور مرکزی قیادت کا فقدان، تنظیمی کمزوری، وسائل اور اسلحہ کی کمی، باہمی عدم رابطہ، بعض حکمرانوں کی عدم شرکت یا بے عملی اور انگریزوں کی منظم عسکری طاقت و حکمت عملی شامل تھی۔ اس کے نتیجے میں برصغیر میں مسلمانوں کا سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی ڈھانچہ بری طرح متاثر ہوا۔

انگریزوں نے اقتدار مستحکم کرنے کے بعد دینی و تعلیمی مراکز کو کمزور کر دیا، جس سے ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا۔
یہی وہ نازک مرحلہ تھا جہاں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقا نے حالات کا صحیح ادراک کرتے ہوئے اپنی جدوجہد کا رخ تبدیل کیا۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اب براہِ راست عسکری مقابلے کے بجائے علمی، تعلیمی اور فکری میدان میں کام کرنا زیادہ مؤثر ہوگا۔ چنانچہ اسی حکمتِ عملی کے تحت بعد میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کی صورت میں ایک نئی تعلیمی تحریک کا آغاز ہوا، جس نے نہ صرف دینی علوم کی حفاظت کی، بلکہ آئندہ نسلوں کی فکری رہنمائی کا بھی سامان فراہم کیا۔
یوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار 1857ء کی جنگِ آزادی میں محض ایک مجاہد کے طور پر ہی نہیں، بلکہ ایک مدبر اور صاحبِ بصیرت رہنما کے طور پر بھی سامنے آتا ہے، جنہوں نے حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق اپنی حکمتِ عملی کو تبدیل کیا اور امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

عملی زندگی اور تدریسی خدمات :

جنگِ آزادی 1857ء کے بعد جب برصغیر کے حالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے اور دینی و تعلیمی نظام شدید متاثر ہوا، تو ایسے نازک وقت میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز نہایت حکمت اور بصیرت کے ساتھ کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مطبع احمدی میں ادارت کے فرائض انجام دیے، جہاں علمی و تحقیقی ذوق کو جِلا ملی، اور ساتھ ہی تدریسی خدمات کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔
دارالعلوم دیوبند کے قیام سے قبل آپ چھتہ مسجد میں اقلیدس (ہندسہ/جیومیٹری) کا درس دیتے تھے۔ اسی طرح مطبع میں بھی آپ کا حلقۂ درس قائم رہا، جہاں سے متعدد علما نے علمی استفادہ کیا۔
1860ء میں حج کی ادائیگی کے بعد آپ میرٹھ کے مطبع مجتبی سے وابستہ ہوئے، جہاں کتب کی تصحیح و نظر ثانی کا اہم فریضہ انجام دیا اور 1868ء تک اس خدمت کو جاری رکھا۔ اس کے بعد آپ دوبارہ حج کے لیے روانہ ہوئے، اور واپسی پر مطبع ہاشمی میں بھی علمی خدمات سرانجام دیں۔ اس پورے عرصے میں آپ کی زندگی علم، تدریس اور اشاعتِ دین کے گرد گھومتی رہی۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام اور تعلیمی انقلاب :

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے گہرائی سے یہ محسوس کیا کہ امت کی بقا اور اصلاح کے لیے ایک منظم تعلیمی اور تربیتی نظام کی ضرورت ہے، جو نہ صرف دینی شناخت کو محفوظ رکھے، عملی رہنمائی کرے بلکہ آنے والی نسلوں کو فکری و عملی طور پر مضبوط بنائے۔ اسی بصیرت کے نتیجے میں 1866ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ ابتدائی طور پر یہ ایک سادہ مکتب کی صورت میں شروع ہوا، لیکن حقیقت میں یہ ایک عظیم فکری و تعلیمی انقلاب کی بنیاد تھی۔ اس ادارے کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کا سادہ، مخلصانہ اور عوامی مزاج تھا۔ نہ کوئی شاہانہ عمارت تھی اور نہ حکومتی سرپرستی، بلکہ یہ مکمل طور پر عوامی تعاون، اخلاص اور قربانی کے جذبے پر قائم تھا۔
تعلیمی اعتبار سے یہاں قرآن و حدیث کو مرکزی حیثیت دی گئی، جب کہ فقہ، علمِ کلام، منطق اور فلسفہ جیسے علوم کو بھی نصاب میں شامل کیا گیا، تاکہ طلبہ ہمہ جہت علمی استعداد حاصل کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عملی تربیت کو بھی لازمی قرار دیا گیا، تاکہ علم محض نظری نہ رہے بلکہ کردار اور عمل میں بھی ظاہر ہو۔
مولانا کی حکمت عملی یہ تھی کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو علم و عمل دونوں میں پختہ ہو اور جو آگے چل کر امت کی مؤثر رہنمائی کر سکے۔ اسی مقصد کے تحت نصاب میں توازن، تدریس میں نظم اور تربیت میں اخلاص کو بنیادی اصول بنایا گیا۔

تحریکِ قیامِ مدارس :

دارالعلوم دیوبند کا قیام محض ایک ادارے کا قیام نہیں تھا، بلکہ ایک ہمہ گیر تعلیمی تحریک کا آغاز تھا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے پورے برصغیر میں دینی مدارس کے قیام کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جس نے علمی بیداری کی نئی لہر پیدا کی۔
اس تحریک کے نتیجے میں مختلف علاقوں میں مدارس قائم ہوئے اور دینی علوم کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ مراد آباد، دیوبند اور رامپور جیسے مقامات علمی مراکز کی حیثیت اختیار کر گئے، جہاں سے علم و فکر کی روشنی پھیلنے لگی۔ یہ درحقیقت ایک خاموش مگر گہرا انقلاب تھا، جس نے امت کی

فکری اور دینی بنیادوں کو مضبوط کیا۔

انگریزی نظامِ تعلیم کا متبادل:

اس دور میں انگریزی نظامِ تعلیم تیزی سے فروغ پا رہا تھا، جس کے اثرات مسلمانوں کے ذہنوں پر بھی مرتب ہو رہے تھے۔ بہت سے لوگ مغربی علوم کی طرف مائل ہو کر دینی تعلیم سے دور ہوتے جا رہے تھے، جس سے ایک فکری خلا پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورتِ حال کا ادراک کرتے ہوئے ایک ایسا متوازن تعلیمی نظام پیش کیا، جس میں دینی علوم کو بنیادی حیثیت حاصل تھی، لیکن ساتھ ہی عقلی علوم کو بھی مناسب جگہ دی گئی۔ اس طرح ایک ایسا متبادل سامنے آیا جو نہ صرف دینی تشخص کا محافظ تھا بلکہ جدید فکری چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا تھا۔

فکری خدمات اور مناظرات:

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو ان کی فکری خدمات اور مناظرانہ سرگرمیاں ہیں۔ آپ نے مختلف باطل نظریات اور فکری چیلنجز کا مدلل اور حکیمانہ انداز میں مقابلہ کیا۔ آپ نے مسیحی مبلغین، ہندو فرقوں اور مغربی فلسفے کے نمائندوں کے ساتھ علمی مباحث کیے، جن میں منطق، مضبوط دلیل اور اخلاقی اسلوب نمایاں رہا۔ آپ کے مناظرات محض وقتی کامیابی کے لیے نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا مقصد حق کی وضاحت اور دین کی صحیح تصویر پیش کرنا ہوتا تھا۔ یہ سرگرمیاں طلبہ کے لیے بھی ایک عملی درسگاہ کی حیثیت رکھتی تھیں، جہاں وہ علمی گہرائی، منطقی استدلال اور اخلاقی وقار کو عملی طور پر دیکھتے اور سیکھتے تھے۔

امت پر اثرات:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمی اور فکری خدمات کے اثرات نہایت وسیع اور ہمہ گیر ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل علما نے امت کی رہنمائی میں نمایاں کردار ادا کیا اور مختلف میدانوں میں علمی قیادت فراہم کی۔ ان کی کوششوں سے مسلمانوں میں فکری شعور پیدا ہوا اور علم و عمل کی ایسی تربیت ہوئی جو انہیں بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل بناتی تھی۔ مزید برآں، ایک منظم جماعت اور تعلیمی نظام کے قیام نے امت کی اجتماعی قوت کو مضبوط کیا اور دینی بیداری کو ایک مستقل بنیاد فراہم کی۔

تصانیف اور علمی وراثت:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ان کے علمی مقام اور فکری گہرائی کی آئینہ دار ہیں، جن میں: حجۃ الاسلام، انتصار الاسلام، تقریر دلپذیر، لطائف قاسمیہ، حاشیہ بخاری شریف، براہین قاسمیہ، تصفیہ العقائد، تحذیر الناس، انتباہ المومنین، قبلہ نما، جمال قاسمی، واقعہ میلا خدا شناسی اور دیگر اہم رسائل شامل ہیں، جو مختلف دینی و فکری موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔

آپ کی علمی وراثت کا سب سے نمایاں پہلو وہ رجالِ کار ہیں جو آپ کی تربیت سے تیار ہوئے اور جنھوں نے بعد میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ان میں مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہم جیسے جلیل القدر علما شامل ہیں، جنھوں نے دینی، تعلیمی اور فکری میدان میں غیر معمولی خدمات انجام دے کر اس مشن کو آگے بڑھایا۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:؎

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

یہ اشعار مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، فکری اور عملی خدمات کی عکاس ہیں اور ان کی عظمت کو بھرپور طریقے سے اجاگر کرتے ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ علما اور مشائخ کی نظر میں:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ اسلامی کا کوہِ بلند و بالا ہیں، جنھوں نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام کو اس کی اصل صورت میں قائم

رکھا۔ جیسے اللہ رب العزت نے پہاڑ زمین کو تھامنے کے لیے پیدا کیے، اسی طرح اللہ رب العزت نے حجۃ الاسلام کو امتِ مسلمہ کی رہنمائی، اصلاح اور فکری بیداری کے لیے بھیجا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی علمی و عملی خدمات کے باعث اپنے عہد کے علما اور مشائخ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کے اساتذہ اور ہم عصر علما نے ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی تعریف کی اور ان کی علمی، فکری اور اخلاقی قابلیت کو واضح کیا۔

تأثراتِ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ:

۱۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی شیخ ہیں، اپنے مرید حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے متعلقین سے فرماتے ہیں:

''اور جو شخص اس فقیر سے محبت و عقیدت و ارادت رکھے، مولوی رشید احمد گنگوہی سلمہٗ اور مولوی محمد قاسم نانوتوی سلمہٗ کو کہ تمام کمالاتِ ظاہری و باطنی ان میں موجود ہیں، راقم (حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کی جگہ سمجھے، بلکہ مجھ سے فائق المدارج جانے، اگرچہ ظاہری معاملہ برعکس ہوگیا کہ میں ان کی جگہ اور وہ میری جگہ ہوگئے، اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کہ اس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں''۔ (ضیاء القلوب، ص: ۱۰۰)

ایک شیخ کا اپنے مرید کے بارے میں یہ کہنا کہ انہیں میری جگہ ہونا چاہیے تھا، یعنی وہ میرے شیخ ہوتے اور اس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں، یہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبے اور مقام کو واضح کرتا ہے۔

۲۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لائے؟ تو میں قاسم اور رشید کو پیش کردوں گا کہ یہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔'' (معارف الاکابر، ص: ۲۳۵)

۳۔ ایک اور جگہ فرمایا:

''حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ لسان عطا ہوئے تھے، جنہوں نے حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا۔ اسی طرح مجھے مولوی قاسم صاحب لسان عطا ہوئے ہیں۔'' (قصص الاکابر، ص: ۷۵، امداد المشتاق، ص: ۱۶)

۴۔ ایک بار حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور ان کے مناقب بیان ہو رہے تھے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ:

''مولانا اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تو تھے ہی، کوئی ہمارے اسماعیل کو بھی دیکھے۔'' (ارواحِ ثلاثہ، ص: ۲۰۴)

۵۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے خط کے جواب میں جو جملہ لکھا تھا وہ بھی پڑھنے والوں کی نظر!

''اور شکر کریں کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں ایک ولی کامل بیٹا عطا فرمایا ہے۔'' (انوار قاسمی، ص: ۲۰۱)

۶۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی بار حج پر گئے تھے اور وہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تھی تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔'' (انوارِ قاسمی، ص: ۵۵۰)

ایک شیخ کا اپنے مرید کے بارے میں ایسے کلمات ادا کرنا، اس مرید (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی قدر و منزلت کو واضح کرتا ہے۔

۷۔ حضرت مولانا مہتاب علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے اور حضرت کے پڑھنے کے زمانے میں ہی انہوں نے اپنے شاگرد کا نام ''علم کی بکری'' رکھ دیا تھا۔ (سوانح قاسمی، جلد: ۱، ص: ۱۹۲)

۸۔ حضرت مفتی صدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی حضرت کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ایک موقع پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا تھا: ''قاسم بہت ذہین آدمی ہے، اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا''۔ (سوانح قاسمی، جلد: ۱، ص: ۲۶۶)

۹۔ مولانا محمد امین احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے ہم عصر علما میں سے تھے اور مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے جدِّ امجد تھے، وہ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی

تقریر کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ :

''مولانا محمد قاسم کی زبانِ مبارک پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس کی تقریر ہو رہی ہے۔'' (سوانح قاسمی، جلد : ۱، ص : ۳۹۲)

۱۰۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے درس سے متعلق فرماتے ہیں کہ :

''جب استاذ محترم (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) سے کوئی بات پوچھی جاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس مسئلے کے تمام دلائل اکرام سے ہاتھ جوڑے ہوئے حضرت کے سامنے آکھڑے ہوئے ہیں۔'' (سوانح قاسمی، جلد ۱، ص : ۳۴۳)

۱۱۔ مولوی احمد رضا خان بریلوی کے والد مولوی نقی علی صاحب لکھتے ہیں :

مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی علمائے دین اور مومنین صادقین میں سے ہیں۔'' (ملخصاً تحفۃ المقلدین، ص : ۱۵، مطبوعہ : صبح صادق پریس، سیتا پور)

۱۲۔ جب مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے (۱) حضرت مولانا قاسم نانوتوی، (۲) مولانا رشید احمد گنگوہی، (۳) مولانا خلیل احمد سہارنپوری، (۴) مولانا اشرف علی تھانوی، (۵) مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ :

''یہ حضرات مسلمان اور مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔'' (براءۃ الابرار، ص : ۲۰۹)

۱۳۔ حافظ محمد حسین مراد آبادی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور آپ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت قریب سے دیکھا ہے، وہ حضرت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''حضرت حاجی (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) خانۂ خدا اور زائر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قصبۂ نانوتہ کے اکابر صدیقی شیوخ سے ہیں۔ عالم، متقی و ربانی و حقانی اور واقفِ اسرار، شریعت و طریقت ہیں۔'' (انوار العارفین، ص : ۵۲۴)

۱۴۔ حضرت مولانا سید عبدالحی والد ماجد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں :

''آپ (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) بہت ہی زیادہ زاہد اور عبادت گزار تھے، ذکر اور مراقبہ کا بھی بہت ہی کثرت سے اہتمام کرتے تھے اور علما و فقہا کے علامتی لباس یعنی عمامہ اور جبہ وغیرہ سے پرہیز کرتے، تاکہ آپ لوگوں پر مخفی رہیں۔ اس زمانے میں آپ نہ کوئی فتویٰ دیتے، نہ ہی کوئی وعظ کہتے، بلکہ صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے ذکر اور مراقبے میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہتے، یہاں تک کہ ان کی برکت سے آپ پر حقائق و معارف کے دروازے کھل گئے''۔ (اقتباس الاعلام [نزھۃ الخواطر])

وفات :

1880ء میں، صرف 47 سال کی عمر میں، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ دارالعلوم دیوبند کے شمال میں واقع مقبرہ قاسمی میں ہے، جہاں آج بھی اہلِ علم و محبت حاضری دے کر آپ کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ محض ایک فرد کی زندگی نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر علمی، فکری اور روحانی تحریک کا عنوان ہے۔ آپ نے ایسے دور میں جب امت زوال، اضطراب اور فکری انتشار کا شکار تھی، علم و عمل اور اخلاص و استقامت کے ذریعے ایک نئی راہ متعین کی۔

آپ کی جدوجہد اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ قوموں کی تقدیر محض نعروں سے نہیں بدلتی، بلکہ منظم تعلیمی نظام، مضبوط فکری بنیاد اور مخلص قیادت ہی اسے سنوارتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام اسی بصیرت کا عملی مظہر ہے، جو آج بھی امتِ مسلمہ کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

آپ کی حیاتِ طیبہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ جب علم کے ساتھ اخلاص اور فکر کے ساتھ عمل ہم آہنگ ہو جائیں تو ایک فرد بھی تاریخِ امت کا دھارا موڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وہ ابدی پیغام ہے جو آپ کی جدوجہد کو رہتی دنیا تک مؤثر، تابندہ اور اہلِ حق کے لیے مینارِ ہدایت بنائے رکھے گا۔

ہمارا معاشرہ
بالغوں کا فقدان اور نوعمری کی طوالت

احمد حمدی
استاذ قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

تمہید: ظاہری ترقی اور باطنی زوال کا تضاد

جب ہم اپنے اردگرد کی دنیا پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو بظاہر ہر طرف ترقی، رفتار اور شعور کا غلغلہ سنائی دیتا ہے۔ اونچی عمارتیں، تیز ترین مواصلاتی نظام اور معلومات کا سیلاب ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ شاید انسانیت اپنی بلوغت اور پختگی کے عروج پر پہنچ چکی ہے۔ مگر جب ہم اس مادی ترقی کے پردے کو ہٹا کر انسانی رویوں، رشتوں کی گہرائی اور معاشرتی اخلاقیات کا جائزہ لیتے ہیں تو ایک نہایت ہی حیران کن اور تکلیف دہ حقیقت آشکار ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ عمر رسیدہ تو ہو رہا ہے، مگر باشعور اور بالغ نہیں ہو رہا۔ ظاہری آزادی اور بے پناہ معلومات کے باوجود، آج کا انسان باطنی طور پر ایک عجیب سی ناپختگی، بے سمتی اور الجھن کا شکار ہے۔ اسی کیفیت کو امریکی مفکر، شاعر اور سماجی نقاد رابرٹ بِلائی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں نہایت دردمندی اور فکری گہرائی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ جدید تہذیب نے ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا ہے جو ''بالغوں'' کا نہیں، بلکہ محض ''ہم عمروں'' اور ''بھائی بہنوں'' کا معاشرہ بن کر رہ گیا ہے۔

'ہم عمروں کے معاشرے' کا بنیادی استعارہ:

رابرٹ بِلائی کی اصطلاح میں اس نئے معاشرتی ڈھانچے کا مطلب یہ نہیں کہ خونی رشتوں میں کوئی تبدیلی آ گئی ہے، بلکہ یہ ایک نہایت گہرا نفسیاتی اور سماجی استعارہ ہے۔ ان کے نزدیک قدیم اور روایتی معاشروں میں ایک ''عمودی'' (Vertical) ترتیب پائی جاتی تھی۔ اس ترتیب میں بزرگ، والدین، اساتذہ اور اخلاقی رہنما معاشرے میں ایک بالادست اور قابلِ احترام مقام رکھتے تھے۔ یہ بالادستی محض رعب یا خوف کی بنیاد پر نہیں تھی، بلکہ یہ تجربے، حکمت اور اخلاقی پختگی کی علامت تھی۔ نوجوان اور بچے اس عمودی ڈھانچے میں اوپر کی طرف دیکھتے تھے، ان سے سیکھتے تھے، اور ان کے قائم کردہ اصولوں کے تابع رہ کر اپنی شخصیت کی تعمیر کرتے تھے۔

اس کے برعکس، جدید دور کا معاشرہ ایک ''افقی'' (Horizontal) ساخت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس افقی دنیا میں ہر شخص دوسرے کے برابر کھڑا ہے۔ برابری کا یہ تصور سیاسی اور قانونی حد تک تو انتہائی خوش آئند ہے، مگر جب یہ اصول خاندانی، اخلاقی اور تربیتی رشتوں پر لاگو کر دیا گیا تو اس نے معاشرے سے ''رہنمائی'' کا تصور ہی چھین لیا۔ اب کوئی کسی سے بڑا نہیں، کوئی کسی کی تربیت کا ذمہ دار نہیں، اور کوئی کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔ سب ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں، بالکل ان بہن بھائیوں کی طرح جو ایک ہی سطح پر زندگی گزارتے ہیں اور جن میں رہنمائی کے بجائے مسابقت، حسد یا محض وقتی دوستی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ بِلائی کے مطابق جب معاشرے سے عمودی رہنمائی ختم ہو جاتی ہے، تو وہ اپنی سمت کھو بیٹھتا ہے اور ایک نہ ختم ہونے والی نوعمری (Adolescence) کے چکر میں پھنس جاتا ہے۔

بالغی کا اصل مفہوم اور نوعمری کا فریب:

اس بحث میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر بالغ ہونے کا اصل مفہوم کیا ہے؟ جدید دور کی سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہم نے جسمانی عمر کے بڑھنے کو بلوغت سمجھ لیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو شخص اٹھارہ یا اکیس سال کا ہو گیا، وہ بالغ ہو گیا۔ مگر بِلائی اور دیگر مفکرین کے نزدیک حقیقی

بلوغت ایک نفسیاتی اور اخلاقی کیفیت کا نام ہے۔ بالغ انسان وہ ہے جو اپنی خواہشات پر قابو پانا جانتا ہو، جو اپنے فیصلوں کی ذمہ داری اٹھا سکے، جو وقتی اور فوری لذت کے بجائے طویل المدتی مقاصد اور قربانی کا شعور رکھتا ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو اپنے سے اگلی نسل کی رہنمائی اور تربیت کا بوجھ اٹھانے کا اہل ہو۔

مگر آج کی صارفی ثقافت اور ابلاغِ عامہ نے نوعمری کو ایک عارضی مرحلے کے بجائے ایک مستقل اور آئیڈیل طرزِ زندگی بنا دیا ہے۔ ذرائع ابلاغ، اشتہارات اور تفریحی صنعت مسلسل یہ پیغام دے رہے ہیں کہ جوان رہنا، بے فکر رہنا، اور ذمہ داریوں سے آزاد رہنا ہی زندگی کی اصل کامیابی ہے۔ اس مسلسل ذہنی یلغار کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انسان شعوری طور پر بالغ ہونے سے گریز کرنے لگا ہے۔ آج کا انسان بوڑھا تو ہونا نہیں چاہتا، مگر وہ بالغ بھی نہیں ہونا چاہتا۔ وہ تعلقات بناتا ہے مگر ان میں مستقل مزاجی اور قربانی دینے سے کتراتا ہے۔ وہ نوکری کرتا ہے مگر معمولی سی تنقید یا دباؤ پر مایوس ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی کی تلخیوں کا سامنا کرنے کے بجائے فرار کے راستے تلاش کرتا ہے۔ یہ سب اس مستقل نوعمری کی علامات ہیں جس نے آج پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

والدین کا بدلتا ہوا کردار: رہنما سے محض دوست تک کا سفر

اس عالمی بحران کا سب سے واضح اور تکلیف دہ مظہر خاندانی نظام کے اندر نظر آتا ہے، خصوصاً والدین کے کردار میں آنے والی تبدیلی میں۔ ہمارے روایتی معاشروں میں باپ اور ماں کا کردار محض محبت دینے تک محدود نہیں تھا، بلکہ وہ تربیت، حد بندی اور نظم و ضبط کے ضامن سمجھے جاتے تھے۔ باپ کا کردار ایک استعارہ تھا—قانون، اصول، اور بیرونی دنیا کی سختیوں سے نمٹنے کی تربیت کا استعارہ۔ مگر جدیدیت کی اندھی تقلید اور نام نہاد آزاد خیالی کے زیرِ اثر، والدین نے اپنا یہ روایتی کردار ترک کر دیا ہے۔

آج کے والدین اپنے بچوں کے رہنما بننے کے بجائے ان کے ''دوست'' بننے کے خبط میں مبتلا ہیں۔ بے شک بچوں کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھنا ایک مثبت امر ہے، مگر دوستی اور رہنمائی میں ایک نازک فرق ہے۔ دوست آپ کی ہر بات کی تائید کرتا ہے، وہ آپ کی خامیوں پر پردہ ڈالتا ہے اور آپ کے ساتھ تفریح کرتا ہے۔ مگر ایک رہنما یا مربی آپ کو آپ کی خامیاں دکھاتا ہے، آپ کے لیے حدود متعین کرتا ہے، اور بعض اوقات آپ کی وقتی خوشی کو قربان کر کے آپ کی مستقل کامیابی کی بنیاد رکھتا ہے۔ جب والدین، خصوصاً باپ، اپنی یہ اخلاقی اتھارٹی اور بالادستی چھوڑ کر محض بچوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی دوڑ میں لگ جاتے ہیں، تو گھر کے اندر سے وہ عمودی ڈھانچہ منہدم ہو جاتا ہے جس کا ذکر رابرٹ بلائی کرتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر، بچے ایسے گھرانوں میں پروان چڑھتے ہیں جہاں انہیں ہر خواہش پوری کرنے کی آزادی تو ملتی ہے، مگر وہ نظم و ضبط، قوتِ برداشت اور ناکامی کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں سیکھ پاتے جو عملی زندگی میں قدم قدم پر درکار ہوتا ہے۔

پاکستان اور جنوبی ایشیا کا خاندانی و سماجی تناظر:

اگرچہ بلائی کی کتاب بنیادی طور پر مغربی معاشرے کے پس منظر میں لکھی گئی ہے، مگر جب ہم پاکستان، ہندوستان اور گرد و نواح کے ممالک کے موجودہ حالات کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ تمام خامیاں ہمیں اپنے ہاں بھی پوری شدت سے نظر آتی ہیں۔ ہمارا خطہ وہ ہے جہاں مشترکہ خاندانی نظام، محلے داری اور بزرگوں کے احترام کی ایک طویل اور مضبوط روایت موجود رہی ہے۔ دیہاتوں اور قصبوں میں محض والدین ہی نہیں، بلکہ محلے کا ہر بزرگ، اسکول کا ہر استاد اور خاندان کا ہر تجربہ کار فرد بچوں کی تربیت کا غیر اعلانیہ ذمہ دار ہوتا تھا۔

مگر تیز رفتار شہر کاری (Urbanization) اور معاشی مجبوریوں نے اس روایتی ڈھانچے کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ لوگ دیہاتوں سے نکل کر بڑے شہروں، جیسے کہ لاہور، کراچی یا اسلام آباد کے چھوٹے فلیٹوں میں محصور ہو گئے ہیں۔ مشترکہ خاندان ٹوٹ کر اکائیوں میں بٹ گئے ہیں، جہاں دادا دادی اور نانا نانی کی شفقت اور کہانیاں اب بچوں کو میسر نہیں۔ معاشی دباؤ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ والدین صبح سویرے رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں اور رات گئے تھکن سے چور واپس لوٹتے ہیں۔ ایسے میں بچوں کو وقت دینا، ان کے ساتھ بیٹھ کر زندگی کے مسائل پر گفتگو کرنا اور ان کی فکری تربیت کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ ہماری نسلِ نو جسمانی طور پر تو ہمارے گھروں میں رہتی ہے، مگر ان کی ذہنی اور نفسیاتی پرورش اب موبائل اسکرینوں، سماجی رابطوں کی ویب سائٹس اور غیر ملکی ثقافت کے زیرِ اثر ہو رہی ہے۔ ہم نے اپنے بچوں کو مادی

سہولیات تو فراہم کر دی ہیں، مگر وہ رہنمائی فراہم نہیں کی جو انہیں ناپختگی کے بھنور سے نکال کر ایک باوقار بالغ انسان بنا سکے۔

سماجی رابطوں کی ویب سائٹس اور سطحی ثقافت کی یلغار:

جدید ٹیکنالوجی اور سماجی رابطوں کی ویب سائٹس (سوشل میڈیا) نے اس بحران کو ایک خطرناک حد تک بڑھا دیا ہے۔ انسان کی نفسیاتی ساخت کچھ اس طرح کی ہے کہ اسے اپنے ارتقا کے لیے غور و فکر، تنہائی، اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر آج کے ڈیجیٹل دور نے انسان سے اس کا صبر اور غور و فکر کی صلاحیت چھین لی ہے۔ اسکرینوں پر ہر لمحہ بدلتی ہوئی تصاویر، چند سیکنڈز پر محیط ویڈیوز اور ہر وقت دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کی دوڑ نے نوجوانوں کی ذہنی ساخت کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

اس نئی سطحی ثقافت نے کامیابی کا پیمانہ ہی تبدیل کر دیا ہے۔ اب کامیابی کا مطلب کوئی بڑا کارنامہ انجام دینا، علم حاصل کرنا یا معاشرے کی خدمت کرنا نہیں رہا، بلکہ چند لمحوں کے لیے مشہور ہو جانا یا لوگوں کی توجہ حاصل کر لینا اصل کامیابی سمجھا جانے لگا ہے۔ نوعمر ذہن یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کی کسی بے مقصد حرکت کو چند ہزار لوگوں نے پسند کر لیا، تو وہ زندگی میں کامیاب ہو گیا۔ یہ فوری تسکین (Instant Gratification) کی وہ لت ہے جو انسان کو کبھی اندر سے پختہ نہیں ہونے دیتی۔ یہ ثقافت انسان کو سکھاتی ہے کہ اگر کوئی رشتہ بوجھ لگنے لگے تو اسے فوراً توڑ دو، اگر کسی کام میں تھوڑی سی مشکل پیش آئے تو اسے چھوڑ کر کوئی آسان راستہ ڈھونڈ لو۔ اس طرزِ عمل کے تحت پلنے والی نسل جب عملی زندگی کے میدان میں اترتی ہے تو وہ معمولی سے دباؤ کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہے۔ بلائی اسے ''کچرا ثقافت'' (Junk Culture) کا نام دیتے ہیں، جو جسم کو تو شاید فربہ کر دے، مگر روح اور ذہن کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔

تعلیمی اور روایتی اداروں کا زوال:

اس سارے بگاڑ میں ہمارے تعلیمی نظام کا بھی بنیادی کردار ہے۔ ماضی میں تعلیم کا مقصد محض معلومات کی منتقلی نہیں تھا، بلکہ کردار سازی اور شخصیت کی تعمیر اس کا اہم ترین جزو تھا۔ استاد محض کتاب پڑھانے والا نہیں، بلکہ ایک مربی اور روحانی باپ کا درجہ رکھتا تھا جس کا عمل اور کردار طالب علم کے لیے ایک نمونہ ہوتا تھا۔ مگر آج کے تجارتی دور میں تعلیم ایک منافع بخش صنعت بن چکی ہے۔ ہمارے اسکول اور کالج ایسی فیکٹریاں بن گئے ہیں جن کا واحد مقصد امتحانات میں اعلیٰ نمبر دلوانا اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لیے پرزے تیار کرنا ہے۔

ان اداروں میں نصاب تو جدید ترین پڑھایا جاتا ہے، مگر وہ انسانیت، اخلاقیات اور قوتِ برداشت کا کوئی سبق نہیں دیتے۔ طالب علموں کو یہ تو سکھایا جاتا ہے کہ مقابلہ کیسے جیتنا ہے، مگر یہ نہیں سکھایا جاتا کہ شکست کو وقار کے ساتھ کیسے برداشت کرنا ہے۔ انہیں وسائل جمع کرنے کا طریقہ تو معلوم ہے، مگر ان وسائل کو دوسروں کی بھلائی کے لیے استعمال کرنے کا جذبہ ناپید ہے۔ تعلیمی اداروں سے وہ ''عمودی ڈھانچہ'' بالکل غائب ہو چکا ہے جہاں ایک طالب علم استاد کے احترام میں سر جھکاتا تھا اور اس سے زندگی کا شعور لیتا تھا۔ اب طالب علم گاہک (Consumer) بن چکا ہے اور تعلیمی ادارہ ایک دکاندار۔ جب تعلق کی بنیاد ہی منافع اور تجارت پر ہو، تو وہاں بالغ اور پختہ کردار پیدا ہونے کی توقع رکھنا عبث ہے۔

مذہب، روحانیت اور حقیقی پختگی کا فقدان:

ہمارے معاشرے کے تناظر میں جب ہم بالغی اور پختگی کی بات کرتے ہیں تو اس میں مذہب اور روحانیت کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام میں محض بلوغت (جسمانی طور پر بڑا ہونے) کو کافی نہیں سمجھا گیا، بلکہ اصل زور ''رُشد'' یعنی فکری، ذہنی اور اخلاقی پختگی پر دیا گیا ہے۔ قرآنی تعلیمات اور سیرتِ نبوی ﷺ میں قدم قدم پر انسان کو ذمہ داری اٹھانے، اپنے نفس پر قابو پانے، صبر کرنے اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ سب وہ عناصر ہیں جو کسی بھی انسان کو حقیقی معنوں میں بالغ بناتے ہیں۔ ہمارے صوفیائے کرام، جیسے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اور بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا اصل محور ہی انسان کی باطنی تربیت اور نفس کا تزکیہ تھا تاکہ وہ کچے اور ناپختہ رویوں سے نکل کر پختگی کی منزل تک پہنچ سکے۔

مگر آج ہم نے مذہب کو بھی محض چند ظاہری رسومات تک محدود کر دیا ہے۔ مساجد آباد ہیں، مگر وہ روحانی تربیت گاہیں نہیں رہیں جہاں سے اخلاق کے چشمے پھوٹتے تھے۔ ہم عبادات تو ادا کرتے ہیں مگر ان کی روح، یعنی برداشت، ہمدردی اور اخلاقی پختگی سے محروم ہیں۔ مذہبی رہنما جو ماضی میں

معاشرے کی اخلاقی رہنمائی کرتے تھے، وہ بھی فرقہ واریت اور سطحی بحثوں میں الجھ کر اپنا وہ باوقار مقام کھو چکے ہیں جہاں سے وہ نوجوان نسل کی تربیت کر سکیں۔ نتیجتاً نوجوان نسل مذہب سے دور ہوتی جا رہی ہے یا پھر مذہب کے نام پر شدت پسندی اور عدم برداشت کا شکار ہو رہی ہے۔ یہ دونوں رویے اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ معاشرہ روحانی اور فکری طور پر کس قدر عدم پختگی کا شکار ہو چکا ہے۔

صارفی ثقافت اور معاشی دوڑ کے مہلک اثرات :

اس ناپختہ تہذیب کی جڑیں عالمی صارفی نظام (Consumerism) میں بھی پیوست ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بقا اسی میں ہے کہ انسان ہمیشہ کچھ نہ کچھ نیا حاصل کرنے کی خواہش میں مبتلا رہے۔ اس نظام نے انسان کو یہ باور کرا دیا ہے کہ اس کی قدر و قیمت اس کے علم، کردار یا شرافت سے نہیں، بلکہ اس کے پہنے ہوئے برانڈڈ کپڑوں، اس کے ہاتھ میں موجود جدید ترین موبائل فون اور اس کی گاڑی کے ماڈل سے متعین ہوتی ہے۔

جب انسان کو محض ایک ''صارف'' بنا دیا جائے، تو اس کی پوری زندگی مادی اشیا کی دوڑ میں گزر جاتی ہے۔ یہ دوڑ اسے اندر سے کبھی مطمئن نہیں ہونے دیتی۔ ایک چیز حاصل کرتے ہی دوسری کی خواہش پیدا کر دی جاتی ہے۔ اس کیفیت میں انسان کے اندر وہ قناعت، شکر اور ٹھہراؤ کبھی پیدا ہی نہیں ہو پاتا جو ایک پختہ اور بالغ ذہن کی نشانی ہے۔ صارفی نظام جان بوجھ کر انسان کو ایک ''ضدی بچے'' کی نفسیاتی حالت میں رکھتا ہے جو کھلونوں کے لیے روتا ہے، کیوں کہ اگر انسان حقیقت میں بالغ، صابر اور قناعت پسند ہو جائے تو اس مادی اور ظاہری چمک دمک پر مبنی نظام کی بنیادیں ہی ہل جائیں۔

اس تہذیبی اور فکری گرداب سے نکلنے کی راہیں :

اگرچہ رابرٹ بِلائی اور دیگر مفکرین کا پیش کردہ یہ منظر نامہ کافی تاریک اور مایوس کن معلوم ہوتا ہے، مگر ایسا نہیں ہے کہ اس صورتحال سے نکلنے کا کوئی راستہ موجود نہیں۔ اس تہذیبی گرداب سے نکلنے کے لیے ہمیں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت سنجیدہ اور منظم کاوشیں کرنی ہوں گی۔

سب سے پہلا اور اہم قدم خاندانی نظام کی بحالی اور والدین کے کردار کی درستی ہے۔ والدین کو یہ تلخ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ وہ بچوں کے محض دوست نہیں ہیں، بلکہ ان کے محافظ، رہنما اور مربی ہیں۔ انہیں بچوں کے لیے اخلاقی حدود متعین کرنی ہوں گی اور انہیں یہ سکھانا ہوگا کہ زندگی میں ہر چیز باآسانی اور فوری طور پر نہیں ملتی۔ بچوں کو محرومیوں کا سامنا کرنا اور ناکامیوں کو برداشت کرنا سکھانا ان کی تربیت کا لازمی حصہ ہونا چاہیے۔ گھر کے اندر بزرگوں کے احترام کی روایت کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ بچوں کو یہ احساس ہو کہ دنیا ان کی ذات کے گرد نہیں گھومتی، بلکہ انہیں ایک وسیع تر خاندانی اور سماجی ڈھانچے کا حصہ بن کر رہنا ہے۔

دوسری اہم تدبیر ہمارے تعلیمی نظام سے متعلق ہے۔ اساتذہ کو دوبارہ وہ مقام دینا ہوگا جہاں وہ محض معلومات کے ترسیل کار نہ رہیں، بلکہ طلبہ کی فکری اور اخلاقی رہنمائی کر سکیں۔ نصاب میں ایسی کہانیاں، اساطیر اور تاریخی واقعات شامل کرنے کی ضرورت ہے جو بچوں کو قربانی، ہمت، سچائی اور ذمہ داری کا سبق دیں۔ روایتی کہانیوں کی یہ خاصیت رہی ہے کہ وہ استعاروں کی زبان میں انسان کے باطن کو پختہ کرتی ہیں اور اسے زندگی کے کٹھن مراحل کا سامنا کرنے کا شعور دیتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ، ابلاغِ عامہ اور ٹیکنالوجی کے بے جا اور بے مقصد استعمال کو کنٹرول کرنا انتہائی ناگزیر ہو چکا ہے۔ نوجوانوں کو اسکرینوں کی مصنوعی دنیا سے نکال کر حقیقی دنیا کے کھردرے مگر اصل حقائق سے متعارف کروانا ہوگا۔ انہیں کھیلوں کے میدانوں، کتب خانوں، اور سماجی خدمت کے کاموں سے جوڑنا ہوگا تاکہ وہ حقیقی انسانی رشتوں کی گرمی اور دردمندی کو محسوس کر سکیں۔ جب نوجوان عملی طور پر معاشرے کی بہتری میں اپنا کردار ادا کریں گے، تو ان کے اندر فطری طور پر وہ احساسِ ذمہ داری پیدا ہوگا جو انہیں نابالغی کے خول سے نکال کر بلوغت کی شاہراہ پر گامزن کر دے گا۔

مختصر یہ کہ رابرٹ بلائی کی تصنیف ہماری جدید تہذیب کے ماتھے پر لکھا ہوا وہ انتباہ ہے جسے ہم نظر انداز کرنے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ ہم ایک ایسی دنیا میں جی رہے ہیں جہاں مادی وسائل کی تو کوئی کمی نہیں، مگر اخلاقی اور فکری پختگی نایاب ہوتی جارہی ہے۔ ہم نے ایک ایسا معاشرہ تخلیق کرلیا ہے جو باہر سے تو ایک شاندار اور فلک بوس عمارت کی مانند نظر آتا ہے، مگر اندر سے اس کی بنیادیں کھوکھلی ہیں کیوں کہ اس میں ان بنیادوں کو سہارا دینے والے وہ ''پختہ ستون'' یعنی بالغ افراد ناپید ہوچکے ہیں۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ، بالخصوص پاکستان اور ہماری آئندہ نسلیں اس کھوکھلے پن سے بچیں، تو ہمیں اپنی ترجیحات پر ازسرِ نو غور کرنا ہوگا۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ محض عمر کا بڑھ جانا، ڈگری کا حاصل کرلینا یا معاشی طور پر مستحکم ہوجانا انسان کو بالغ نہیں بناتا۔ حقیقی بلوغت ایک مسلسل اور کٹھن اندرونی سفر کا نام ہے جو انسان کو اپنی ذات کے خول سے نکال کر دوسروں کا درد محسوس کرنے، اپنے فرائض کو پہچاننے اور ایک بامقصد زندگی گزارنے کے قابل بناتا ہے۔ اگر ہم نے بروقت اپنی خاندانی روایات، اخلاقی اقدار اور تربیتی نظام کو بحال نہ کیا، تو ہماری نسلیں یونہی ''ہم عمروں کی ناپختہ دنیا'' میں بھٹکتی رہیں گی جہاں ہجوم تو بہت ہوگا، مگر رہنمائی کرنے والا کوئی ایک بھی بڑا موجود نہیں ہوگا۔ اب یہ فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو دائمی نوعمری کے اس فریب میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں، یا انہیں ایک باشعور، باوقار اور حقیقی معنوں میں بالغ انسان بننے کا راستہ دکھانا چاہتے ہیں۔ یہی ہمارے عہد کا سب سے بڑا چیلنج ہے اور اسی پر ہماری تہذیب کی بقا کا انحصار ہے۔

علامہ محمد اقبال مرحوم

دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

ترا بحر پُر سکوں ہے، یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
نہ نہنگ ہے، نہ طوفاں، نہ خرابیِ کنارہ!

تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزۂ ستارہ

ترے نیستاں میں ڈالا مرے نغمۂ سحر نے
مری خاکِ پے سپر میں جو نہاں تھا اک شرارہ

نظر آئے گا اُسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
جسے آگئی میسّر مری شوخیِ نظارہ

(ضربِ کلیم)

ماہانہ رپورٹ برائے آئینہ انجمن

قرآن اکیڈمی ڈیفنس

مؤرخہ 29 جنوری 2026ء بروز جمعرات رجوع الی القرآن کورس کے 32 ویں بیچ کا اختتام ہوا۔ آخری دن مدیرِ ادارہ نے طلبہ کے سامنے آئندہ کے لائحہ عمل پر خصوصی گفتگو فرمائی۔ اس کورس کی تقسیم اسناد کی تقریب بمؤرخہ 5 اپریل 2026ء قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں منعقد ہو چکی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس سال رجوع الی القرآن کورس 2026-27 کا آغاز بمؤرخہ 6 اپریل 2026ء سے ہو گیا ہے۔

مدرسے کے تمام کُل و جزو قتی شعبہ جات (حفظ، قاعدہ، ناظرہ) میں معمول کے مطابق کلاسز کا انعقاد جاری ہے۔

وفاق المدارس کے تحت منعقدہ سالانہ امتحان میں شعبہ حفظ کے تمام 15 طلبہ نے درجہ ''ممتاز'' میں کامیابی حاصل کی۔

حلقات و دورات دینیہ کے تحت مختصر دورانئے کے کورسز کا آغاز بمؤرخہ 25 مارچ 2026 سے ہو چکا ہے۔ جس کی تفصیل قرآن اکیڈمی ڈیفنس کے اشتہار میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

دوران ماہ مسجد میں پہلا، دوسرا اور تیسرا جمعہ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب جب کہ چوتھا جمعہ شجاع الدین شیخ صاحب نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

دوران ماہ مسجد میں تین نکاح کی تقریبات منعقد ہوئیں۔

قرآن اکیڈمی لیسن آباد

رجوع الی القرآن کورس سال اول کل 102 اور سال دوم 34 طلبہ و طالبات کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

حلقات و دورات دینیہ ((Short Courses کے ضمن میں ''درس قرآن برائے معتکفین حضرات'' متفرق موضوعات (بعد نماز ظہر)، اور ''مختصر درسِ

QURAN ACADEMY DEFENCE

Short Courses

25 March 2026 Start.

- Approximate Duration: Three Months
- Timing: Between Maghrib and Isha

Course	Description	Start	Day(s)
Spoken Arabic	Guided conversations in classical Arabic. First level of a structured pathway towards direct Quranic engagement.	25 March	Wednesdays Saturdays
Linguistic Miracle of the Quran	Understand subtle linguistic miracles of Surah Fatiha and Surah Mulk.	27 March	Fridays
Seeret-e Sahaba	Life and times of the ashara mubashira.	30 March	Mondays
Basic Fiqh	Practical guidelines related to tahara (purification), salat, fasting and zakat.	31 March	Tuesdays
Meeting the Prophet (PBUH)	Transformative course designed to help participants connect with the life and character of the Prophet PBUH.	2 April	Thursdays

021-35340022-24

0304-2135558

حدیث (اہلِ محلہ/نمازی حضرات بعد نماز عصر از طلبہ پارٹ 2) منعقد ہوئے' جب کہ 'دورہ ترجمہ قرآن (بعد نماز عشاء)' جاری ہے، ان پروگراموں میں حاضرین کی تعداد 415 تک رہی ہے۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ میں درجہ حفظ کے تحت 96 طلبہ اور درجہ قاعدہ کے تحت 12 طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ جب کہ مدرسۃ البنین والبنات (سہ پہر 2:30 تا 4:30) کے تحت درجہ قاعدہ میں 160 اور درجہ ناظرہ کے تحت 100 طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ مغرب تا عشاء حلقہ برائے ناظرہ قرآن حکیم ماہ رمضان المبارک کے باعث تدریس موقوف رہی ان شاء اللہ العزیز جلد جاری ہوگی۔

شعبہ دعوت و تبلیغ کے تحت رواں ماہ پہلا جمعہ، ''حصول تقویٰ اور رمضان'' دوسرا جمعہ، ''رمضان اور استغفار'' اور تیسرا جمعہ ''رمضان کے بعد زندگی کیسے گزاریں؟'' (محترم سید سلیم الدین صاحب) جب کہ چوتھا جمعہ ''تقویٰ، مفہوم، برکات و تقاضے'' (محترم محمد ارشد صاحب) نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

مسجد میں چار نکاح کی تقریبات منعقد ہوئیں۔

شعبہ تصنیف و تالیف کے تحت ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب نصاب (تفصیلی ویڈیوز) حصہ چہارم درس نمبر (17) بعنوان ''قتال فی سبیل اللہ سورۃ الصف کی روشنی میں'' کا حصہ دوم (ویڈیو نمبر: 80) اور بعنوان ''یہودیوں کی پوری تاریخ کے دوران اللہ کے جلیل القدر رسولوں کے خلاف ان کے باغیانہ طرزِ عمل سورۃ الصف کی روشنی میں'' کے دو پارٹ میں سے ایک حصہ سوم (ویڈیو نمبر: 81) کی فورمیٹنگ، ترمیم و ترتیب اور تصحیح مکمل کی گئی۔ اسی عنوان کا دوسرے پارٹ حصہ چہارم (ویڈیو نمبر: 82) پر کام جاری ہے۔

اور منتخب نصاب کے حصہ چہارم درس نمبر (18) بعنوان انقلاب نبوی ﷺ کا اساسی منہاج: ''افراد کی تیاری کا نبوی ﷺ طریقہ کار'' حصہ اول (ویڈیوز نمبر: 93) کی فورمیٹنگ، ترمیم و ترتیب اور تصحیح مکمل کی گئی، جب کہ حصہ دوم (ویڈیوز نمبر: 94) پر کام جاری ہے۔

پیغام قرآن کے تحت سورۃ المنافقون کی کمپوزنگ جاری ہے۔

شعبہ سوشل میڈیا کے تحت درج ذیل امور انجام دیے گئے: چھ مقامات دورہ ترجمہ قرآن اور تاثرات شرکائے دورۂ ترجمہ قرآن (کوریج)، ''خطابِ جمعہ نگران انجمن: 35 کلپس''، ''تعارف رجوع الی القرآن کورس (شرکا)- برائے دورہ ترجمہ قرآن''، ''تعارف رجوع الی القرآن کورس (بانی محترم) برائے دورہ ترجمہ قرآن''، ''رجوع الی القرآن کورس - بانی محترم 4 کلپس''، ''رجوع الی القرآن کورس - ڈاکٹر انوار علی 2 کلپس''، ''رجوع الی القرآن کورس - پروموز 2 کلپس''، ''ایک آیت، ایک منٹ: 15 کلپس''، ''آج کی حدیث: 15 کلپس''، ''فہم دین: 13 کلپس'' اور ''آج کی تراویح: 14 کلپس''۔

قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

رجوع الی القرآن کورس (25-26) مکمل ہوا جس میں 38 حضرات اور 47 خواتین سمیت کل 85 شرکا نے شرکت کی۔

اسی طرح ہفتہ وار ''قرآن فہمی کورس level-2'' (برائے حضرات و خواتین) بھی مکمل ہوا جس میں 15 حضرات اور 9 خواتین شریک رہے۔ علاوہ ازیں واٹس ایپ پر ''عربی گرامر'' کا چھٹا بیچ مکمل ہوا جس میں 42 اسناد جاری کی گئیں۔

رواں ماہ آئینہ انجمن کے لیے مضامین تیار کر کے شعبہ تصنیف و تالیف کو دیے گئے، جب کہ عربی گرامر کو سمجھنے کے لیے ایک پورٹل تیار کیا گیا جس میں مختلف ایپلیکیشنز اور کورسز تیار کر کے لائیو کیے گئے۔

ادارے سے وابستہ دو اساتذہ کرام نے ماہ رمضان میں دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ ماہ رمضان کے لیے انجمن خدام القرآن کے شعبہ کی جانب سے تیار کردہ یومیہ ملٹی میڈیا مواد واٹس ایپ براڈ کاسٹ اور چینل، یوٹیوب، فیس بک اور انسٹا گرام پر باقاعدگی سے نشر کیا گیا۔ اسی طرح ادارے کی جانب سے یومیہ مختلف پوسٹس برائے رمضان تیار کر کے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر شائع کی گئیں۔

نیز رجوع الی القرآن کورس (26-27) کے لیے تشہیری کام کیا گیا، جس کے تحت متعلقہ مقامات دورہ قرآن میں تشہیری مواد ارسال کیا گیا اور ادارے سے متصل علاقوں میں بینرز، پول ہینگرز، وغیرہ آویزاں کیے گئے۔

مدرسۃ القرآن میں قاعدہ و ناظرہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، جہاں تقریباً 36 طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

رواں ماہ خطبہ جمعہ کی سعادت مدیر ادارہ جناب ڈاکٹر انوار علی صاحب نے حاصل کی۔

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد

رمضان المبارک کے بعد ہر سال کی طرح اس سال بھی رجوع الی القرآن کورس 2026-27 کا آغاز ہو چکا ہے۔ اسی طرح رمضان المبارک کے بعد عوام الناس تک قرآن کا پیغام عام کرنے کے لیے شام کے اوقات میں شارٹ کورس، ہفتہ وار کورسز اور بچوں اور بچیوں کے لیے بروز اتوار ''مطالعہ قرآن حکیم'' کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد کی مقامی تنظیم کے تحت اس سال ماہِ رمضان المبارک میں دو مقامات ایمپائر بینکوئٹ اور سنگم گارڈن میں دورۂ ترجمہ قرآن کا انعقاد کیا گیا۔ اسی طرح ماہِ رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کے شرکا نے بذریعہ ایپ ''تذکیر بالقرآن کورس'' مکمل کیا، کامیاب ہونے والے شرکا میں ''مختصر بیان القرآن'' تقسیم کیے گئے۔

مدرسۃ القرآن برائے قاعدہ و ناظرہ میں اور بعد نمازِ مغرب بالغان کے لیے بھی قاعدہ و ناظرہ قرآن کی تعلیم اور بروز جمعہ بعد نمازِ مغرب تذکیر بالقرآن کے تحت درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔

شعبہ سندھی تصنیف و تالیف کے تحت بانیٔ تنظیم اسلامی و مؤسس انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کتابچوں کا سندھی ترجمہ جاری ہے۔ 'مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'، 'دینی فرائض کا جامع تصور'، 'راہ نجات سورۃ العصر کی روشنی میں'، 'رب ہمارا'، 'رسول انقلاب کا طریق انقلاب'، 'بیت المقدس کی مختصر تاریخ'، اور 'عربی گرامر نوٹس' یہ تمام کتابیں ترجمہ کے مراحل سے گزر کر تیار ہو چکی ہیں ابتدائی تین کتابچے الحمد للہ چھپ بھی چکے ہیں بقایا pdf کی صورت میں موجود ہیں۔

ماہِ رواں میں تین کتابچوں کا سندھی ترجمہ مکمل ہوا ہے، 'تنظیم اسلامی کی دعوت'، 'حب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے' اور 'اسلام پر عمل کے لیے اجتماعیت کی اہمیت اور اس کی اساس'۔

قرآن انسٹیٹیوٹ بحریہ ٹاؤن

قرآن انسٹیٹیوٹ میں رمضان سے قبل 'رمضان کی تیاری کیسے کریں' کے موضوع پر ایک خصوصی لیکچر منعقد ہوا، جس میں حضرات و خواتین نے بھرپور شرکت کی۔ اور رمضان و قرآن کے باہمی تعلق کو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے معمولات کی روشنی میں اجاگر کیا گیا۔ اسی طرح قرآن انسٹیٹیوٹ میں First Aid Box اور Fire Blanket انسٹال کیے گئے۔

مزید برآں مختصر دورۂ قرآن منعقد ہوا، جس میں 'رجوع الی القرآن' کورس کی بھرپور تشہیر کی گئی، جس کے لیے وقفہ میں بانیٔ محترم کی ویڈیوز چلانے کا اہتمام کیا گیا۔ علاوہ ازیں سابقہ طلبہ برائے رجوع الی القرآن کورس کے تاثرات لیے گئے اور ان کو نشر بھی کیا گیا۔

مزید برآں مختصر دورۂ قرآن کا انعقاد ہوا، جس میں ''رجوع الی القرآن'' کورس کی تشہیر، بانیٔ محترم کی ویڈیوز کی نمائش اور سابقہ طلبہ کے تاثرات نشر کیے گئے۔ اس دوران انجمن خدام القرآن کی جانب سے کتب کا اسٹال اور رجوع الی القرآن کورس کی رجسٹریشن ڈیسک بھی قائم کیا گیا۔

الحمد للہ، قرآن انسٹیٹیوٹ بحریہ ٹاؤن کو IOU کا باقاعدہ امتحانی مرکز مقرر کر دیا گیا ہے اور اس کی تصدیقی سند بھی جاری کر دی گئی ہے۔

حفظ و ناظرہ کی تعلیم جاری ہے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے اور عید الفطر کی چھٹیوں میں منزل کی دوہرائی کا ہوم ورک دیا گیا۔

شعبۂ ملٹی میڈیا

خطباتِ جمعہ (محترم شجاع الدین شیخ صاحب) :

ماہِ مارچ 2026ء میں محترم شجاع الدین شیخ صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطبہ جمعہ کی ویڈیو ریکارڈنگ کی گئی جسے انجمن اور تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ اور سوشل میڈیا پر شائع کیا گیا :

تذکرہ----رمضان کے بعد استقامت اور حقیقی تبدیلی، تبصرہ----پاک افغان کشیدگی اور امریکہ، اسرائیل اور ایران جنگ کے حوالہ سے امت مسلمہ اور پاکستان کے لیے لائحہ عمل

خطباتِ جمعہ (محترم انجینئر نعمان اختر صاحب):

ماہِ مارچ 2026ء میں محترم انجینئر نعمان اختر صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنہیں انجمن کے ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا :

روزے کی اہمیت / فضیلت و مقاصد۔	روزے کا مقصد۔۔۔ تقوی / تقوی کی افادیت۔
روزے کا حاصل،، قرب الہیٰ کی تڑپ / دعا کا تحفہ	جمعۃ الوداع (خطاب)

خطباتِ جمعہ (محترم ڈاکٹر انوار علی صاحب) :

ماہِ مارچ 2026ء میں محترم ڈاکٹر انوار علی صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطباتِ جمعہ کی آڈیو ریکارڈنگ کی گئیں جنہیں انجمن کے ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا گیا :

رمضان اور ہم (حصہ 5)۔	رمضان اور ہم (حصہ 6)۔
رمضان کا حاصل / حقوق زوجین	

ماہ رواں میں درج ذیل امور سر انجام دیے گئے : امیر محترم شجاع الدین شیخ صاحب کا QTV کے لیے خلاصہ مضامین قرآن پروگرام کے 20 پارے ایڈٹ کر کے QTV کو ارسال کیے گئے، ہر پارہ دو حصوں پر مشتمل ہے اور ہر حصہ کا دورانیہ 25 منٹ ہے۔

محترم انجینئر نعمان اختر صاحب کا دورۂ ترجمہ قرآن 2026 جو کہ گلستان جوہر میں منعقد ہوا، اس کی ریکارڈنگ کی گئی اور براہ راست نشر بھی کیا گیا، جب کہ محترم ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کا دورۂ ترجمہ قرآن جو کہ قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں منعقد ہوا اس کی ریکارڈنگ کی گئی۔

دورہ ترجمہ قرآن 2024 کو نئے Virtual Set پر رکھ کر تین چینلز کو مواد فراہم کیا گیا :

1. HUM TV
2. Public TV
3. Channel 5

تینوں چینلز کو 50 منٹس کے 17 episodes ارسال کیے گئے۔

تذکیر کے عنوان سے نگرانِ انجمن محترم جناب شجاع الدین شیخ صاحب کے 18 episodes ایڈٹ کرکے سما چینل کو ارسال کیے گئے۔
علاوہ ازیں استاذ محمد نعمان صاحب کی ''آج کی حدیث'' کے عنوان سے رمضان کے لیے 30 حدیث ریکارڈ کی گئیں پینا فلیکس بیک گراؤنڈ پر اور سوشل میڈیا ڈپارٹمنٹ کو فراہم کی گئیں۔ نیز نگرانِ انجمن جناب شجاع الدین شیخ کی بذریعہ Google Meet متکفین سے گفتگو ہوئی اور سوال وجواب کی نشست منعقد ہوئی۔

معاونت :

لاہور ملٹی میڈیا ٹیم کے ساتھ بھرپور معاونت رہی، جس میں، ملٹی میڈیا ڈسپلے، SMD پروجیکشن، ساونڈ سسٹم، live streaming اور دیگر امور پر تفصیلی گفتگو اور رہنمائی کی گئی۔ اور متعلقہ venders سے رابطہ کروایا گیا۔

انجمن خدّام القرآن اغراض و مقاصد

انجمن خدّام القرآن
سندھ، کراچی، رجسٹرڈ

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی کے قیام کا مقصد منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے۔ تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے اور اس طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہوسکے۔

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی کے اغراض و مقاصد:

- عربی زبان کی تعلیم و ترویج۔
- قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق۔
- علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت۔
- ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلّم و تعلیم قرآن کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیں، اور
- ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام جو قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کرسکے۔

☆☆☆

مرکزی دفتر انجمن خدّام القرآن B – 375، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6، گلشن اقبال، کراچی۔ فون نمبر 7 – 34993436 – 021